فیصل آباد
پاکستان

ماہنامہ

حلیۃ

ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق اپریل 2009ء

زیر ادارت

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

قادیانیوں کے بارے میں بانئ پاکستان کا موقف

گذشتہ شمارے میں ہم نے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور بانئ پاکستان مسٹر محمد علی جناح کی قادیانیت کے بارے میں خط وکتابت شائع کی تھی۔ اس ضمن میں ایک بات رہ گئی تھی وہ یہ کہ مسٹر جناح کا بذات خود قادیانیوں کے بارے میں کیا نظریہ تھا۔ اس سلسلے میں ہم رئیس الاحرارؒ کے فرزند حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ:

۱۹۴۶ء میں وزارتوں کے لیئے قادیانی جب بانئ پاکستان مسٹر محمد علی جناح کے گرد چکر لگا رہے تھے تو انہی دنوں رئیس الاحرارؒ نے مسٹر جناح کو قادیانیوں کے بارے میں خط لکھے۔

ایک دفعہ مسٹر جناح نے قادیانی وفد سے ان کے عقائد کے بارے میں سوال کیا، اور قادیانیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں اپنے عقائد کا ذکر کیا تو اس پر

مسٹر جناح نے کہا:

”گویا کہ تمہارے اور ہمارے عقیدے میں بنیادی فرق ہے، تمہارا مذہبی لیڈر اور ہے اور ہمارا لیڈر اور ہے“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ ملّیہ فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

جلد نمبر 5 ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
مطابق
شمارہ نمبر 4 اپریل 2009ء

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
بلا عنوان	ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی	2
سرکار دو عالم ﷺ کی انگوٹھیاں	محمد عمر فاروق عاطف	6
حضرت داؤد طائیؒ کے حالات ومناقب	ابن حبیب مدنی	8
امام الہندؒ اور رئیس الاحرارؒ	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی	13
عجائبات روح	نثار احمد فتحی صاحب	21
انوار انوریؒ	شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوری	26
محبت الٰہی اور آخرت کی فکر	حضرت عبداللہ یافعیؒ	29
خواتین کے صفحات		34تا40
بچوں کے صفحات		41تا47

فی شمارہ 20 روپے پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ
ملحقہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن فیصل آباد
041-8711569

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد Decl No. 3483-85

کلمة الحبیب

بلاعنوان

ابن الحسن حبیب الرحمٰن لدھیانوی



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی:

"جام در دست و سنگ در بغل" ہاتھ میں جام اور بغل میں کتا دکھاتے ہوئے پرویز مشرف صاحب اقتدار پر قابض ہو گئے۔ اور انہوں نے ہر اس شخص کو اقتدار کی گلیوں سے نکال باہر کیا جو کہ ان کے مزاج و موقف سے اختلاف رکھتا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اس عدلیہ پر ہاتھ صاف کیا جس نے ان کے اقتدار میں آنے کے بعد پی، سی، او پر حلف لینے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنی عدلیہ بنائی جس کے چیف جسٹس ارشاد احمد خان تھے۔ چیف جسٹس نے آتے ہی پرویزی اقتدار کو سند جواز عطا کر دی۔ پرویزی پی، سی، او پر حلف اٹھانے والے انہی ججوں میں جناب افتخار احمد چوہدری صاحب بھی شامل تھے۔ ان ججوں نے پرویز مشرف کے ہر اس حکم کو آئینی قرار دیا جو اس نے چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے دیا۔ ان ججوں نے ۲۰۰۲ء میں پارلیمینٹ کے انتخابات کے موقع پر مولویوں کو انتخابات میں حصہ لینے کے لیے نااہل قرار دے دیا۔ اور کہا گیا کہ مولوی میٹرک نہیں ہے۔ جبکہ مولوی کی سند یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے مطابق ایم۔ اے کے برابر تھی۔ اور مولوی اپنی سند کے مطابق بی۔ اے کی بنیاد پر قومی و صوبائی اسمبلیوں کا ممبر بن چکا تھا۔ گویا کہ ان ججوں کے نزدیک مولوی ایم۔ اے تو تھا مگر میٹرک نہیں تھا۔ یہ سب کچھ پرویزی حکم پر ان ججوں نے کیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ لوکل کونسل کے الیکشنوں میں زیادہ تر کام مقامی اور نچلی سطح کے ہوتے ہیں۔ مولوی دینی مدارس کے ذریعہ لاکھوں غریب بچوں کی پرورش کر رہا تھا۔ ان کو مفت رہائش، مفت کھانا، مفت تعلیم، مفت دوا مہیا کر رہا

ہے۔ اور مولوی کا پانچ وقت کی نماز اور ہفتہ وار جمعہ کے بیانات کی وجہ سے مقامی سطح پر رابطہ مضبوط ہے۔ انہی دنوں چونکہ صوبہ سرحد میں ایم۔ ایم۔ اے (مولویوں) کی حکومت تھی۔ اور ان کی کارکردگی مقامی سطح پر اچھی جا رہی تھی۔ اب خطرہ یہ تھا کہ اگر نچلی سطح پر الیکشن میں بھی مولوی نے کامیابی حاصل کر لی اور مقامی سطح کے مسائل مولوی نے حل کرنا شروع کر دیئے تو پورا ملک مولوی کے ہاتھوں میں آ جائے گا اور مقتدر حلقوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ لہذا مولوی کو نااہل قرار دینا ضروری تھا۔ سپریم کورٹ کے جس بنچ نے یہ فیصلہ دیا اس کے ممبر افتخار احمد چوہدری صاحب بھی تھے۔ اور جب افتخار احمد چوہدری صاحب چیف جسٹس بنے تو انہوں نے بھی اسی طور طریقے کو جاری رکھا۔

(چیف جسٹس افتخار اور چیف آف آرمی جنرل پرویز جو کہ پاکستان کے خود ساختہ چیف ایگزیکٹو بھی بن گئے تھے) دونوں چیف مل کر قوم کی قسمت کا فیصلہ کرتے رہے۔ دونوں چیف آپس میں ہم خیال، ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھا۔ دونوں کی شام مخمور ہوتی تو صبح قوم کے لیے مقہور ہوتی۔ آپس میں اتفاق تھا تو جو حکم چیف آرمی دیتا اسی حکم کو چیف جسٹس قانونی بنا دیتا۔ افتخار احمد چوہدری نے چیف جسٹس بننے کے بعد اس بات کا نوٹس نہیں لیا کہ جس کے حکم کو میں قانونی بناتا ہوں، کیا وہ خود بھی قانونی ہے؟ چونکہ اس وقت سب کچھ اچھا جا رہا تھا اس لیے اس کی زحمت گوارا نہ کی گئی۔ بلکہ اسی پرویزی احکام کے نفاذ کو جاری وساری رکھا۔

چنانچہ ایم۔ ایم۔ اے۔ کی حکومت نے سرحد اسمبلی میں اسلامی قوانین کا ایک بل پاس کیا۔ جس کا نام حسبہ بل تھا۔ وہ بل انہی چیف جسٹس افتخار احمد چوہدری صاحب کی زیر نگرانی عدالت نے پرویزی حکم پر غیر قانونی قرار دیا گیا۔ یعنی جو منتخب اسمبلی نے بل پاس کیا وہ تو غیر قانونی ٹھہرا۔ اور جو ایک غیر منتخب کا بحش حکم دیتا وہ قانونی ٹھہرتا۔ معاملہ خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ پرویز مشرف نے اپنے گرد ایسے لوگوں کا جمگھٹا بنایا تھا جو کہ اس کے مزاج کا تھا۔ اس کا ہم پیالہ ہم نوالہ اور ہم گلاس تھا۔ اس میں موصوف چیف جسٹس صاحب بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ جب دو ہم گلاس بیٹھے ہوں اور عالم خمار میں ہوں تو بے تکلفی میں جام ٹکراتے ہیں اور بعض اوقات جب زور سے جام ٹکرا جائیں تو پیالے ٹوٹنے کے ساتھ

صبر کا پیمانہ بھی بے قابو ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ یہاں ہوا فرق صرف یہ ہے کہ جام کی بجائے کام میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ جب جام چھلک رہے تھے تو چیف صاحب نے ترنگ میں آکر جنرل صاحب سے کچھ زیادہ ہی بے تکلفی اختیار کرلی جو کہ حاکم کو ناگوار گذری، اور فوراً ڈسمس کا آرڈر جاری کردیا۔ اس پر بگاڑ پیدا ہوگیا اور قومی مسئلہ بنا کر تحریک شروع کردی گئی۔

کسی سمجھ دار نے کیا خوب کہا ہے، ع

آپس کی قربت میں کچھ فاصلہ لازم ہے
بڑھتی ہے محبت تو ہو جاتی ہے نفرت بھی

اس تحریک میں ایک بات خصوصیت سے کہی جاتی رہی۔ وہ یہ کہ عدلیہ کی آزادی، انصاف کا حصول اور قانون پر عمل درآمد۔ دوسری بات یہ کہ اس پوری تحریک میں کہیں بھی اسلامی نظام قانون کے نفاذ کی آواز نہیں سنائی دی۔ نیز اس تحریک میں "سول سوسائٹی" کے نام سے ایک نئی اصطلاح متعارف کرائی گئی۔ یہ سول سوسائٹی کیا ہے؟ چند انگریزی تعلیم یافتہ، مغربی افکار سے مرعوب طبقہ، جو کہ دینی ذہنی اختراعات کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دیکر اس پر عمل درآمد کو رجعت پسندانہ فعل قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک میں مذہبی لوگ بہت کم پائے گئے۔ بلکہ اس پر تو سیکولر ذہن کے تبصرہ نگار اور مبصرین نے اطمینان کا سانس لیا ہے۔ کہ شکر ہے اس تحریک میں مذہبی عنصر موجود نہیں تھا، ورنہ لینے کے دینے پڑ جاتے۔

مدت سے اس ملک میں اس بات کی کوشش کی جارہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے قوم کی جان مذہبی طبقہ سے چھڑائی جائے۔ بلکہ اس ملک کے بنانے کے وقت بھی اس بات کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ اس کے بنانے کے وقت حتی المقدور ایسے لوگ آگے لائے جائیں جو صرف اسلام کا نام استعمال کرتے ہوں، عملی طور پر وہ اسلام سے نابلد ہوں۔

جب افغانستان میں اسلامی نظام حکومت آیا اور اس کے عدالتی نظام کی اچھائیاں کے سامنے پاکستان میں پھیلنے لگے تو اسی وقت سے پاکستان کے مغرب زدہ حلقے میں بے چینی پھیلنے لگی۔ اس کی

اپنی نشاط انگیز زندگی ذبح محسوس ہونے لگی۔ نیز وہ لوگ جو کہ غیر ملکی امداد پر اس لیے پل رہے تھے کہ وہ اس غیر کا ایجنڈا اور جھنڈا اس ملک میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے، ان کو فکر ہوئی۔ عوام الناس میں اسلامی نظام قانون کے نفاذ کی خواہش نہ صرف انگڑائی لینے لگی بلکہ پوری قوم کا رخ اسلامی نظام قانون کی طرف مڑنے لگا۔ جس میں نہ کسی وکیل کی ضرورت ہے، نہ کسی عیاشی اور رشوت خوری کی گنجائش ہے۔ ایسی حالت میں قانون کے نفاذ اور عدلیہ کی آزادی کے نام پر تحریک چلا کر اسی فرسودہ اور بدبودار نظام قانون کو قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ یہ ڈرامہ رچایا جائے۔

پہلے اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے کسی تحریک کی قیادت علماء کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی مگر اب انگریزی قانون کے نفاذ کی تحریک کی قیادت وکلاء کے ہاتھ میں تھی۔ کیا کچھ بدلنے کی کوشش تو نہیں ہو رہی؟ اس کا جواب ہاں ہی ہے۔ عوام میں سول سوسائٹی کے نام سے ایک آزاد خیال طبقہ پیدا کر کے ملک کو سیکولر بنایا جائے گا اور اس راہ میں جو رکاوٹ آئے گی اس کو عدلیہ کے ذریعہ سے دور کیا جائے گا۔ لگتا ہے کہ اس نیک کام کے لیے نواز شریف صاحب کو آگے لایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نواز شریف اور پیپلز پارٹی میں مل کر کام کرنے کی صدائیں پھر سے بلند ہو رہی ہیں۔ پیپلز پارٹی جیسی سیکولر پارٹی جب مذہبی اقدامات کو چھیڑتی ہی تو شور اٹھتا ہے۔ مسلم لیگ جب کوئی قدم مذہبی اقدار کے خلاف اٹھاتی ہے تو اس کو تائید کرنے والے بھی مل جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ جماعت پاکستان کی بانی جماعت کہلاتی ہے۔ اس کا اسلام قابل قبول سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح کہ دینی اقدار کی حامی جماعتوں کی کوششوں سے بھٹو صاحب نے اپنی حکمرانی کے آخری دنوں میں جمعہ کی چھٹی کا اعلان کر دیا تھا، اور اس پر تقریباً بیس سال تک عمل درآمد ہوتا رہا۔ بھٹو کی بیٹی دو دفعہ حکمران ہونے کے باوجود اس اسلامی اقدار کو ختم نہیں کر سکی، مگر نواز شریف صاحب جب دوبارہ برسر اقتدار آئے تو آتے ہی انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں جمعہ کی چھٹی ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے لیے ان کو کچھ ایسے طبقوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی جو کہ پڑھے لکھے جاہل تھے۔ ترکی میں سکارف پہننا جرم ہے کیونکہ وہ سیکولرازم کے خلاف ہے۔ مگر جب پارلیمنٹ نے سکارف پہننے کو قانونی قرار دے کر بل پاس کیا تو سپریم کورٹ نے اس کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی انگوٹھیاں

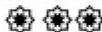
محمد عمر فاروق عاطف

سید المتقین ہادی دو عالم ﷺ کی ذات مبارک اس قدر ذیشان ہے کہ ان کے ساتھ جس چیز کی بھی نسبت ہوئی وہ اعلیٰ بن گئی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے شرح مسلم شریف میں لکھا ہے کہ وہ ذرے جو آپ ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو رہے ان کا مرتبہ عرش و کرسی سے بھی اعلیٰ ہے۔ اور آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اس قدر مقبول ٹھہری کہ اس پر مر مٹنا امتی کے ایمان کا حصہ ہے۔ ان اداؤں کا ذکر بھی خیر کثیر کا باعث ہے یہاں ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کی انگوٹھی مبارک کا مختصر تذکرہ کریں گے تاکہ ہمیں بھی اس میں سے کچھ خیر حاصل ہو اور سنت کی طرف رغبت کا باعث ہو۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس دو قسم کی انگوٹھیاں تھیں جنہیں آپ ﷺ پہنا کرتے تھے یہ دونوں انگوٹھیاں چاندی کی بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک انگوٹھی پر محمد رسول اللہ نقش تھا جس سے مہر کا کام لیا جاتا تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب بادشاہوں کو خطوط لکھا کرتے تھے تو ان پر اپنے دستِ مبارک سے مہر ثبت فرمایا کرتے تھے یہ انگوٹھی آپ ﷺ عام نہیں پہنا کرتے تھے بلکہ مہر لگانے کی غرض سے ہی پہنا کرتے تھے۔ یہ مہر والی انگوٹھی یعلیٰ بن امیہ نے آپ ﷺ کے لیے بنائی تھی اور اس کے بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ جب آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ اور اسی طرح دوسرے بادشاہوں کی طرف خطوط و رسائل کرنے کا ارادہ فرمایا تو یہ بات سامنے آئی کہ عجمی بادشاہوں کے ہاں ایسا خط یا پیغام قابل قبول نہیں ہوتا جو سربمہر نہ ہو۔ اس لئے انگوٹھی بنانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان خطوط کا سلسلہ صلح حدیبیہ کے بعد سن چھ یا سات ہجری میں شروع فرمایا تھا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ انگوٹھی اسی عرصہ میں تیار ہوئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی بالترتیب خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبرؓ، خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ، اور خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے پاس رہی یعنی یہ حضرات اس سے مہر کا کام لیتے تھے ان تینوں حضرات کے دورِ خلافت میں یہ انگوٹھی حضرت معیقیبؓ کے

پاس رہتی تھی ان حضرات کو جب ضرورت ہوتی تو ان سے لے کر کام میں لاتے تھے۔ اس انگوٹھی کا مہر کے علاوہ ایک اور فائدہ تھا کہ اس کی موجودگی میں امت فتنوں سے محفوظ تھی۔ ایک مرتبہ سیدنا عثمان ذوالنورین مسجد قباء کے قریب واقع ایک کنویں (بیر اریس) کے پاس کھڑے تھے آپؓ نے کسی کام کی غرض سے حضرت معیقیبؓ سے وہ انگوٹھی مانگی تو انہوں نے پکڑانے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انگوٹھی چھوٹ کر کنویں میں جا گری جس سے سب کو پریشانی لاحق ہوئی لہذا اس کی تلاش شروع ہوئی بہت کوشش کی گئی مگر انگوٹھی نہ ملی اس اچانک افتاد سے امت اس خیر کثیر سے محروم ہوگئی اور اس کے بعد فتنوں کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ چل نکلا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ یہ انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی اور اس پر (نگینے کی جگہ) محمد رسول اللہ نقش تھا اس جملہ کی ترتیب کے بارہ میں محدثین کی رائے دو قسم پر ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی ترتیب یوں تھی کہ سب سے پہلے لفظ محمد اس کے نیچے لفظ رسول اور پھر سب سے نیچے لفظ اللہ کندہ تھا۔ مگر دوسرے حضرات اس کے برعکس قول فرماتے ہیں ان حضرات نے جو ترتیب ذکر فرمائی وہ یہ ہے کہ سب سے اوپر لفظ اللہ اس کے نیچے لفظ رسول اور سب سے نیچے لفظ محمد لکھا ہوا تھا ان دونوں اقوال میں آخر الذکر قول راجح ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ استنبول کے عجائب گھر میں ایک ایسا خط محفوظ ہے جو سرکار دو عالم ﷺ نے مقوقس کو لکھا تھا اور اس پر مہر بھی واضح ہے جو آخر الذکر قول کی تائید کرتی ہے لہذا اب اس آخر الذکر قول میں اختلاف باقی نہ رہا اور آج کل عام تصاویر جو کہ مہر نبوت ﷺ کے عنوان سے بازار سے ملتی ہیں یہ اسی خط کا عکس ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی دوسری انگوٹھی مبارک بھی چاندی کی بنی ہوئی تھی جو کہ آپ ﷺ عام پہنا کرتے تھے اس کی بناوٹ کے بارہ میں اختلاف ہے بعض محدثین فرماتے ہیں کہ اس کا نگینہ عقیق پتھر کا بنا ہوا تھا جیسا کہ بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا نگینہ بھی چاندی کا بنا ہوا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ سنت پر عمل اور اس کی محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)



حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مناقب

ابن حبیب مدنی

تعارف:

آپ علوم و حقائق کے شاہسوار، طریقت کے عامل اور سالکین و عارفین کے پیشوا و مقتدا تھے اور امام ابو حنیفہؒ سے شرف تلمذ حاصل رہا حتی کہ مسلسل بیس برس امام صاحب سے علم حاصل کرتے رہے۔ یوں تو تمام علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی لیکن علم فقہ میں اپنا نمونہ آپ ہی تھے۔ اور آپ حضرت حبیب راعیؒ کے ارادت مندوں میں داخل تھے لیکن حضرت فضیلؒ ابراہیم بن ادہم جیسی برگزیدہ ہستیوں سے بھی شرف نیاز حاصل رہا۔

واقعہ:

آپ کے تائب ہونے کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ کسی کوئے نے آپ کے سامنے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

کونسا چہرہ خاک میں نہیں ملا اور کونی آنکھ زمین پر نہیں ہے

یہ شعر سن کر عالم بے خودی میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور پورا واقعہ بیان کر کے کہا کہ میری طبیعت دنیا سے اچاٹ ہو چکی ہے اور ایک نامعلوم سی شے قلب کو مضطرب کیے ہوئے ہے۔ یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ گوشہ نشینی اختیار کر لو چنانچہ اسی وقت سے آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ اب یہ بہتر ہے کہ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے ان کی باتوں پر صبر و ضبط سے کام لو چنانچہ ایک برس تک تعمیل حکم میں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ان کے قول سے بہرہ ور ہوئے لیکن خود ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت حبیب راعیؒ سے بیعت ہو کر فیض باطنی سے سیراب ہوتے رہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہ کر عظیم مراتب سے ہمکنار ہوئے۔

قناعت:

ورثہ میں آپ کو بیس دینار ملے تھے اور بیس سال اس سے اپنے اخراجات کی تکمیل کرتے رہے اور جب بعض بزرگوں نے کہا کہ دینار جمع کر کے رکھنا ایثار کے منافی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہی دینار زندگی بھر کے لئے باعث طمانیت ہیں۔ لیکن قناعت کا یہ عالم ہے کہ روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے اور فرمایا کرتے کہ جتنا وقت لقمہ بنانے میں صرف ہوتا۔ اتنی دیر میں پچاس آیتیں قرآن کی پڑھ سکتا ہوں۔ ایک مرتبہ ابو بکر عیاشؒ آپ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے رو رہے ہیں اور جب حضرت عیاشؒ نے وجہ پوچھی کہ فرمایا کہ دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھالوں لیکن یہ پتہ نہیں کہ رزق حلال بھی ہے یا نہیں۔

ایک شخص نے آپ کے یہاں پانی کا گھڑا دھوپ میں رکھا ہوا دیکھ کر عرض کیا کہ اس کو سایہ میں کیوں نہیں رکھا؟ فرمایا کہ جس وقت میں نے یہاں رکھا تھا اسوقت سایہ تھا لیکن اب دھوپ میں سے اٹھاتے ہوئے ندامت ہوتی ہے کہ محض اپنی راحت کے لئے تضیع اوقات کرتے ہوئے ذکر الٰہی سے غافل رہوں۔

آپ کا مکان بہت وسیع تھا لیکن جب اس کا ایک حصہ منہدم ہو گیا تو آپ دوسرے حصہ میں منتقل ہو گئے اور جب وہ بھی منہدم ہو گیا تو دروازے میں منتقل ہو گئے۔ لیکن اس کی چھت بھی بہت بوسیدہ تھی اور جب لوگوں نے چھت ٹھیک کرانے کے لئے کہا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر چکا ہوں کہ دنیا میں تعمیر کا کام نہیں کروں گا۔ اور آپ کے انتقال کے بعد وہ چھت بھی منہدم ہو گئی۔

کنارہ کشی:

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ صحبت مخلوق سے کنارہ کش کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر کم عمر کے لوگوں میں بیٹھوں تو وہ ادب کی وجہ سے دینی علم نہیں سکھائیں گے۔ اور اگر معمر بزرگوں میں بیٹھوں تو وہ مجھے میرے عیوب سے آگاہ نہیں کریں گے۔ پھر میرے لئے مخلوق کی صحبت کیا سود مند ہو

سکتی ہے پھر کسی نے پوچھا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ نکاح کے بعد بیوی کے روٹی کپڑے کی کفالت لینی پڑتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی کسی کا کفیل نہیں ہوتا اس لئے میں کسی کو دھوکہ دینا نہیں چاہتا۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپ داڑھی میں کنگھا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ ذکر الٰہی سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ آپ چونکہ مخلوق سے کنارہ کش رہ کر عبادت میں مصروف رہتے تھے اسی وجہ سے آپ کو عظیم مراتب عطا کئے گئے۔

بے خودی:

ایک مرتبہ چاندنی سے لطف اندوز ہونے کے لئے چھت پر پہنچ گئے لیکن مناظر قدرت کی حیرت انگیزیوں سے متاثر ہو کر عالم بے خودی میں ہمسایہ کی چھت پر گر پڑے اور ہمسایہ سمجھا کہ چھت پر چور آ گیا ہے۔ چنانچہ وہ شمشیر برہنہ لئے ہوئے چھت پر چڑھ گیا لیکن آپ کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟ فرمایا کہ عالم بیخودی میں نہ جانے کس نے مجھ کو یہاں پھینک دیا۔

منقول ہے کہ آپ مداومت کے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور ایک مرتبہ موسم گرما کی دھوپ میں بیٹھے ہوئے مشغول عبادت تھے کہ آپ کی والدہ نے فرمایا یہاں سایہ میں آ جاؤ۔ لیکن آپ نے کہا کہ مجھ کو اس چیز کی ندامت ہوتی ہے کہ خواہش نفس کے لئے کوئی قدم اٹھاؤں۔ پھر فرمایا کہ جب بغداد میں لوگوں نے مجھ کو پریشان کرنا شروع کیا تو میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ میری چادر لے لے تاکہ باجماعت نماز سے نجات حاصل ہو جائے اور مخلوق سے کوئی واسطہ نہ رہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے میری چادر لے لی اس وقت سے ذکر الٰہی اور گوشہ نشینی کے سوا مجھ کو کچھ اچھا نہیں لگتا۔

نکتہ:

آپ سدا غمزدہ رہتے تھے اور فرمایا کرتے کہ جس کو ہر لمحہ مصائب کا سامنا ہو اس کو مسرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے لیکن ایک مرتبہ کسی درویش نے آپ کو مسکراتے دیکھ کر وجہ پوچھی تو فرمایا کہ خدا نے مجھے شراب محبت پلا دی ہے اس کے خمار سے مسرور ہوں اور جب کبھی آپ مجمع میں پہنچ جاتے تو یہ

کہہ کر کہ لشکر آ رہا ہے بھاگ پڑتے اور جب لوگوں نے پوچھا کہ کس کا لشکر ہے فرمایا کہ قبرستان کے مردوں کا لشکر ہے۔

نصیحت:

جب حضرت ابو ربیعؒ نے آپ سے وصیت و نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا کہ دنیا سے روزہ رکھو اور آخرت سے افطار کرو پھر کسی اور نے وصیت کی درخواست کی تو فرمایا کہ بدگوئی سے احتراز کرو۔ مخلوق سے کنارہ کش رہو۔ دین کو دنیا پر ترجیح دو۔ اور اگر ممکن ہو تو مخلوق کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ پھر کسی اور نے نصیحت کے لئے عرض کیا تو فرمایا کہ مردے تمہارے انتظار میں ہیں۔ یعنی تمہیں بھی مرنا ہے اس لئے وہاں کا سامان کرلو۔ پھر فرمایا کہ ترک دنیا سے بندہ خدا تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔

حضرت فضیلؒ نے دو مرتبہ آپ سے شرف نیاز حاصل کیا اور فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی ملاقات میں تو میں نے آپ کو شکستہ چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ اس جگہ سے ہٹ جائیے کہیں ایسا نہ ہو کہ چھت گر پڑے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک چھت کی طرف نظر ہی نہیں ڈالی اور دوسری ملاقات میں یہ نصیحت فرمائی کہ لوگوں سے تعلق منقطع کرلو۔

حضرت معروف کرخیؒ سے روایت ہے کہ میں نے آپ سے زیادہ کوئی دنیا سے متنفر نہیں پایا اور نہ صرف فقراء کا احترام کرتے بلکہ ان سے عقیدت و محبت رکھتے تھے حضرت جنید بغدادیؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حجامت بنوانے کے بعد حجام کو ایک دینار دے دیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو اسراف بے جا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دین کے لئے مروت ضروری ہے۔

جب امام ابو یوسفؒ اور امام ابو محمدؒ میں کوئی اختلاف رونما ہوتا تو وہ دونوں آپ کے فیصلے کو قبول کرتے لیکن آپ امام یوسفؒ سے امام محمد کا احترام کرتے اور فرماتے کہ امام محمدؒ نے محض دین کے لئے علم حاصل کیا اور امام ابو یوسفؒ نے منصب و جاہ کے لئے۔ اور قضا کا وہ عہدہ جس کو امام ابو حنیفہؒ نے کوڑے کھا کر بھی قبول نہیں کیا اس کو امام ابو یوسفؒ نے قبول کر کے اپنے استاد کی پیروی نہیں کی۔

بے نیازی:

جب ہارون الرشید امام ابو یوسفؒ کے ہمراہ آپ کے پاس بغرض ملاقات حاضر ہوا تو آپ نے ملاقات سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دنیا دار حاکموں سے نہیں ملتا لیکن جب ہارون الرشید کی والدہ نے بے حد اصرار کیا تو آپ نے اجازت دے دی اور جب ہارون رشید رخصت ہونے لگا تو ایک اشرفی پیش کرنی چاہی مگر آپ نے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنا مکان جائز دولت کے عوض فروخت کیا ہے اس لئے میرے پاس اخراجات کی رقم موجود ہے۔ اور میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ جب یہ رقم ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے آپ کے خادم سے دریافت کیا کہ اب اخراجات کے لئے کتنی رقم باقی رہ گئی ہے تو اس نے بتایا کہ دس درہم چاندی باقی ہے چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے اخراجات کا حساب لگا کر یہ اندازہ کر لیا کہ بس اب آپ اتنے دن اور حیات رہیں گے۔

ترکِ لذت:

کسی بزرگ نے آپ کو دھوپ میں قرآن خوانی کرتے ہوئے دیکھ کر سایہ میں آنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مجھے اتباعِ نفس ناپسند ہے اور اسی رات آپ کا وصال ہو گیا۔

وصیت:

آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دیوار کے نیچے دفن کرنا چنانچہ آپ کی وصیت پوری کر دی گئی اس سلسلہ میں مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ آج تک آپ کی قبر محفوظ ہے۔

وفات:

کسی نے آپ کو خواب کے اندر ہوا میں پرواز کرتے ہوئے یہ کہتے سنا کہ آج مجھے قید سے چھٹکارا مل گیا اور بیدار ہو کر جب وہ شخص تعبیر خواب دریافت کرنے آپ کے یہاں پہنچا تو آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی کہنے لگا کہ خواب کی تعبیر مل گئی اور روایت ہے کہ انتقال کے وقت آسمان سے یہ ندا آئی کہ داؤد طائی اپنی مراد کو پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے خوش ہے۔



امام الہندؒ اور رئیس الاحرارؒ

رشحاتِ قلم رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

بانی احرار رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ تحریک آزادی برصغیر کی وہ دو نابغۂ روزگار شخصیتیں ہیں جن کی قربانیوں کا ذکر کیے بغیر تاریخ آزادی ہند نامکمل رہ جاتی ہے۔ ان دونوں شخصیتوں نے جیل، ریل، سفر حضر، انفرادی اور اجتماعی طور پر جو ملی اور قومی خدمات سر انجام دی ہیں وہ ہندوستان کی تاریخ پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ یہ خدمات تاریخ کی مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان دونوں راہنماؤں کے آپس میں تعلقات بڑے گہرے تھے۔ ان کو ہم باقاعدہ ترتیب دے رہے ہیں۔ سردست ہم رئیس الاحرار کا ایک مضمون شائع کر رہے ہیں جو کہ انھوں نے اپنے اور مولانا آزاد کے تعلقات پر مولانا آزاد کی زندگی میں لکھا تھا، اور دہلی کے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ رئیس الاحرار کا انتقال ۱۹۵۶ء میں دہلی میں ہوا اور مولانا ابوالکلام آزاد کا انتقال ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ دونوں راہنما جامع مسجد دہلی کے پہلو میں مدفون ہیں۔ رئیس الاحرار کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تلخ سے تلخ حقیقت کو بیان کرنے میں کسی بھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیتے تھے۔

میرے والد حضرت مولانا مفتی محمد زکریا صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ اپنے وقت کے زبردست عالم و فہیم، صاحبِ نسبت بزرگ اور ادبی ذوق کے مالک تھے۔ آپ نے تین ماہ کے اندر قرآن پاک حفظ کیا اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو وہ جامع مسجد لدھیانہ میں صرف ایک رکعت میں سنایا۔ بے نظیر ذہانت اور قوتِ حافظہ میں شہرت رکھتے تھے۔

ان کی ایک مجلس احباب بھی تھی، جس کے تمام اراکین علمی اور ادبی ذوق رکھنے والے ہی حضرات تھے۔ اردو، فارسی کی بے شمار غزلیں اور منظومات انھیں یاد تھیں۔ اس زمانے میں مولانا آزاد کا ایک مضمون "الندوۃ" میں شائع ہوا، تو قبلہ والد صاحب مرحوم نے اپنے احباب مجلس سے کہا کہ "یہ ہے اردو ادب اور اردو زبان" اسے پڑھو۔ میرے خیال میں یہ واقعہ ۲۶ عیسوی کا ہوگا۔ مولانا آزاد

کلام میں نے پہلی مرتبہ اس وقت سنا۔

جالندھر میں مولانا فضل احمد صاحب ہر سال سیرت کا ایک اجلاس منعقد کیا کرتے تھے، جو پنجاب میں سیرت النبی ﷺ کے سلسلہ میں سب سے بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ اس سیرت کے اجلاس میں ہندوستان کے ہر مشہور عالم مقرر و واعظ کو دعوت دی جاتی تھی۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس کے عقائد کیا ہیں، وہ کیا مسلک رکھتا ہے۔ دیوبندی ہو یا بریلوی۔ شیعہ ہو یا اہل حدیث۔ بشرطیکہ وہ نبی کریم ﷺ کی سیرت بیان کرسکتا ہو، ایسے صاحب علم کو بلایا جاتا۔

والد مرحوم اس اجتماع میں ہر سال خصوصی دعوت پر شریک ہوتے۔ اور میرے بچپن سے ان کا یہ معمول تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جاتے۔ ایک مرتبہ میں کسی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ جا سکا۔ والد صاحب نے جالندھر سے واپسی پر بتایا اس سال سیرت النبی ﷺ کے اجتماع میں ابوالکلام آزاد نامی ایک عالم جو نہایت حسین بارعب، بڑی مونچھ، داڑھی کے تھے، شریک ہوئے۔ جب وہ جالندھر پہنچے تو عام مہمانوں کی طرح سمجھے گئے۔ انہیں سیرت پر تقریر کرنے کے لئے آدھ گھنٹہ دیا گیا لیکن جب مولانا آزاد کی تقریر شروع ہوئی تو تمام مقررین اور منتظمین نے یہ چاہا کہ مولانا کو زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے۔ سیرت النبی ﷺ پر ایسے حقائق بیان کئے جن کو سن کر اہل علم تو حیرت رہ گئے اور عوام ان کے گرویدہ ہو گئے۔ مقرر کا کمال تھا کہ اس نے مختصر وقت میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا اور اپنے وقت سے زیادہ ایک منٹ بھی نہیں لیا۔ اس تقریر کے بعد پنجاب کے علمی اور مذہبی حلقے میں مولانا کی شہرت ہوگئی۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں مولانا آزاد کی شمولیت سے ان کا فن مزید اُجاگر ہوا، اور بہت ہی کم وقت میں ہندوستان پر چھا گیا۔

مولانا آزاد اپنے بڑے بھائی مولانا ابو النصر محمد یسین کے ہمراہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے میں شریک ہوئے۔ اس وقت ڈپٹی نذیر احمد بڑے درجے کے مقرر تھے۔ مولانا کی تقریر ہوئی تو پنجاب کا انگریزی دان طبقہ ششدر رہ گیا۔ اور سب کی تقریریں ماند پڑ گئیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس نوجوان کو یہ تقریر رٹائی گئی ہے۔

جب یہ بات مولانا کے بھائی نے سنی تو انہوں نے اعلان کیا کہ کل ابوالکلام تقریر کرے گا اور اس تقریر کا عنوان اس وقت دیا جاوے گا۔ چنانچہ دوسرے دن جب مولانا اسٹیج پر تشریف لائے۔ تو

انہیں یہ عنوان دیا گیا۔ (اسلام کا مستقبل کیا ہے؟)

اس پر مولانا آزاد نے تین گھنٹے تقریر فرمائی۔ جس کو ان کو چوٹی کے سیاست دان اور اہل علم حیرت میں ہو گئے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کہا، اب مجھے اپنے مر جانے کا غم نہیں۔

میرے والد مرحوم نے مجھے حضرت مولانا نور احمد صاحب محدث امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ مولانا نور احمد صاحب شیخ بڈھا چوک فرید امرتسر کی مسجد میں رہتے تھے، وقت کے بڑے بزرگ جید عالم اور حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے تھے۔ اسی زمانے میں میرے والد صاحب مجھے امرتسر ملنے کے لئے تشریف لائے اس وقت انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد سے ملیں۔

معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام سہ روزہ ''اخبار وکیل'' میں بطور سب ایڈیٹر کے کام کر رہے ہیں۔ اور صرف پچاس 50 روپے ان کو تنخواہ ملتی تھی۔ ''اخبار وکیل'' سب سے زیادہ کامیاب اور معقول اخبار سمجھا جاتا تھا۔ والد صاحب مرحوم نے دفتر ''اخبار وکیل'' میں مولانا آزاد سے ملتے ہی کہا۔

''اے عزیز نوجوان، تمہاری یہ جگہ نہیں تم خود کچھ کام کرو، ملک میں سب سے بڑے آدمی بن جاؤ گے''

مولانا آزاد نے والد مرحوم کی اس نصیحت پر عمل کیا اور اخبار ''وکیل'' سے مستعفی دیکر دہلی نکلتے چلے گئے۔ والد مرحوم کی پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی۔ جب بھی مولانا آزاد کا تذکرہ آیا، ان کی شہرت اور مقبولیت پر گفتگو ہوئی، والد مرحوم بہت خوش ہوئے، اور اپنی اس ملاقات اور اس گفتگو کے فقروں کو دہراتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد بھی والد مرحوم کو ہمیشہ عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے اور دلی محبت سے ملتے تھے۔ ویول کانفرنس کے موقعہ پر جبکہ کانگرس کے تمام لیڈر رہا ہو چکے تھے۔ لیکن میری رہائی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت والد مرحوم نے ایک خط مولانا آزاد کے نام لکھا۔ مولانا آزاد نے والد صاحب کے خط کے جواب میں حسب ذیل خط لکھا۔ جس میں دفتر ''اخبار وکیل'' کی پرانی ملاقات کا بھی ذکر ہے۔

محبی فی اللہ، آپ کا خط ملا۔ مولانا حبیب الرحمن نے اپنی قربانیوں اور استقلال سے

ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں ممتاز جگہ حاصل کر لی ہے۔ اس دفعہ کی طویل نظر بندی میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے۔ میرا یقین ہے کہ اب وہ دو تین دن میں رہا ہو جائیں گے۔ مجھے یاد ہے آپ دفتر "وکیل" اخبار امرتسر میں مجھے ملے تھے اور ایک نصیحت بھی کی تھی۔ میں اسی نصیحت پر عمل کر کے آج اس مقام تک پہنچا ہوں۔ اس کے بعد آپ کلکتہ میں بھی ملے تھے۔ مجھے آپ کی ملاقات سے بیحد مسرت ہوئی۔

ابوالکلام ۳ جولائی ۱۹۲۳ء

یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ مولانا آزاد اخبار "وکیل" میں کیوں آئے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا کے والد ان سے ناخوش تھے اس لئے وہ امرتسر چلے آئے۔ مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ کسی کے لئے بار بنیں۔ وہ اپنی روزی کے لئے راستہ تلاش کرنا چاہتے تھے خواہ وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ امرتسر میں رہتے ہوئے مجھے مولانا کے تمام دوستوں اور احباب سے شناسائی ہوگئی۔

۱۹۱۲ء میں مولانا کی ادارت میں "الہلال" افق پر جلوہ گر ہوا۔ ہمارے خاندان میں اس اخبار کی سب سے زیادہ مقبولیت ہوئی۔ میں نے اس اخبار کا ایک ایک حرف کئی کئی بار پڑھا۔ میرے خاندان میں اخبار کی مقبولیت کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ ہم اس اخبار کو اپنے خیالات کا ترجمان سمجھتے تھے۔

چونکہ ۱۸۵۷ء میں میرے پردادا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چاروں صاحبزادوں پورے خاندان و جملہ متوسلین کے سمیت انگریز سے لڑنے کا اعلان کر دیا۔ اور آپ کے فرزند اکبر حضرت مولانا سیف الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لدھیانہ جیل پر حملہ کر کے جیل خانہ توڑ ڈالا۔ اور تمام مجاہدین وطن کو انگریز کی قید سے آزاد کرالیا۔ شہر لدھیانہ میں ہندوستانی پرچم لہرا دیا گیا اور قومی حکومت قائم کر لی۔ لدھیانہ فتح کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب کی پوربی فوجوں کی کمان سنبھال لی اور ان کی رہنمائی کی۔ اسی اثر کے تحت میرے دادا حضرت مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت کے جواز کا فتویٰ دیا جس پر ہندوستان کے اکابر علماء کے دستخط ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری، مولانا احمد رضا صاحب بریلوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود

حسن صاحبؒ نے اس فتویٰ کی تصدیق کی۔ ان کے علاوہ تقریباً ۵ صد علماء نے فتویٰ کی تصدیق کی ہے۔ اور "نصرت الابرار" کے نام سے یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ ہمارے خاندان میں کسی نے اس وقت تک انگریزی پڑھی اور نہ انگریزی حکومت کی ملازمت کی۔ میرے بزرگوں میں ہر وہ شخص مقبول تھا جو انگریزوں کا مخالف ہو۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ مولانا آزاد نے آزادی وطن کے لئے "الہلال" میں اپنی آواز اٹھائی اور انگریز کے خلاف کھل کر لکھنا شروع کیا۔ اس لیے ہمارے خاندان میں ان کی اور ان کے اخبار کی مقبولیت ایک قدرتی امر تھا۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا آزاد نے پنجاب کا ایک سفر کیا۔ مقصد سفر یہ تھا کہ پنجاب کے مشائخ کو انگریزوں کے خلاف ابھارا جائے۔ ان میں سے ایک پیر مہر علی شاہ صاحب سے ملے اور ایک صاحب پیر جماعت علی شاہ صاحب سے ملے۔

اسی سفر میں مولانا آزاد نے لاہور میں تقریر کی۔ حسن اتفاق کہ والد صاحب مرحوم اس اجلاس میں شریک تھے۔ والد صاحب کے بیان کے مطابق اس جلسہ میں پچاس ہزار کے لگ بھگ حاضری تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اڈوائر جیسا شقی القلب اور ظالم انگریز پنجاب کا گورنر تھا۔ مولانا آزاد نے انگریز کے خلاف بولتے ہوئے عوام اور خصوصاً مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مصری سلطنت کا ایک موحد (یوسف علیہ السلام) ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ کا نعرہ لگا کر نظام حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان کے کروڑوں موحد رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ کہتے ہوئے انگریز کو ہندوستان کی سرزمین سے نہ نکال دیں۔

پنجاب سے واپسی پر مولانا آزاد کو رانچی میں نظر بند کر دیا گیا اور "الہلال" کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۹۱۹ء میں رہائی کے بعد خلافت کی تحریک میں شامل ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد لاہور تشریف لائے اور میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر قیام کیا۔ میاں صاحب کے مکان پر پنجاب کے تمام ورکرز کو مولانا آزاد نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں جو خاص بات فرمائی یہ تھی۔

یہ بات ثابت ہے کہ ہمیشہ وطن کی آزادی کی تمام صحیح تحریکیں مسلمانوں نے

شروع کیں اور صحیح راستے متعین کئے۔ لیکن جب ہندوستان کے دوسرے لوگ ان صحیح راستوں پر چلے تو مسلمان اس لئے رُک گئے کہ غیر مسلموں نے یہ راستہ کیوں اختیار کیا؟

خلافت تحریک میں ہم سب جیل میں گئے۔ مجھ کو ڈیڑھ سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں کانگریس کا خصوصی اجلاس مولانا آزاد کی زیر صدارت دہلی میں بلایا گیا۔ اس وقت ملک میں بہت زیادہ اختلاف تھا۔ خلافت تحریک ناکام ہو چکی تھی۔ گاندھی جی جیل میں تھے۔ سی۔ آر۔ داس۔ پنڈت موتی لال نہرو۔ مولانا آزاد۔ حکیم اجمل خان سب کے سب سوراج پارٹی کے حق میں تھے کہ الیکشنوں میں حصہ لیکر اسمبلیوں پر قبضہ کیا جائے اور اندر جا کر انگریز کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ مسٹر راجگوپال آچاریہ اس وقت ینگ انڈیا کے ایڈیٹر تھے۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم، میں اور میرے ہم خیال ساتھی اس کے خلاف تھے۔ ہم لوگوں کو نو چینجر (غیر متبدل) کہا جاتا تھا۔ اس اجلاس میں مولانا آزاد سے تفصیلی تعارف ہوا۔ اس لئے کہ راجہ جی کے بعد سب سے طویل تقریر سوراج پارٹی کے نظریہ کے خلاف میری ہی تھی۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ سوراج پارٹی کے بزرگ عمل میں انتہا پسند ہیں۔ لیکن عقیدت انقلابی نہیں، ماڈریٹ ہیں۔ اس لئے کہ انقلابی قلب و دماغ کا آدمی ایسا راستہ اختیار نہیں کر سکتا۔ آخر میں راج گوپال آچاریہ بھی اسی جماعت کے ہمنوا ہو گئے۔ اس پالیسی کی وجہ سے ہندوستان میں موجودہ حالات پیدا ہوئے۔ اب مولانا آزاد سے ملاقات رہنے لگی۔ جب بھی وہ دہلی رہتے، مسلسل ملاقات رہتی۔ بسا اوقات سارا سارا دن ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر مولانا آزاد کے ساتھ گذر جاتا۔ ایسا بھی ہوا کہ فجر سے پہلے سحری کی چائے میں شرکت ہوئی اور رات کو عشاء کے بعد تک ساتھ رہے۔

۱۹۲۰ء دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی زیر صدارت جمعیت العلماء ہند کا اجلاس ہوا۔ جس میں ملک کے تمام ہندو مسلم مقتدر رہنماؤں نے شرکت کی۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے۔ اس لئے اجلاس میں تشریف نہ لا سکے۔ شیخ کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے خطبہ صدارت پڑھا۔ اس کے تین دن بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ شیخ کے انتقال کے بعد یہ مسئلہ شروع ہوا کہ اب ہندوستان کے مسلمانوں کا امیر کسے منتخب کیا جائے۔ علی برادران اور خلافت کمیٹی کے ارکان اس تحریک کے سرے سے ہی خلاف تھے کہ کسی کو امیر بنایا جائے۔ جمعیت العلماء ہند میں بھی ایک قسم کا اختلاف تھا۔ فرنگی محلی علماء چاہتے تھے کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب مرحوم مسلمانانِ ہند کے امیر منتخب ہو جائیں۔ دارالعلوم دیوبند میں دو رائیں تھیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا آزاد کی امارت کے سخت خلاف تھے لیکن مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا آزاد کے حق میں تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ تھے۔

''مسلمان جسے امیر بنائیں گے میں اُسے قبول کروں گا، مگر میری ذاتی رائے میں مولانا آزاد کو امیر منتخب کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس کام کے اہل ہیں۔ جس کام کو ہم کر رہے ہیں وہ نہیں کر سکتے اور جس کو وہ کر رہے ہیں ہم نہیں کر سکتے''۔

یہ کہنا کچھ اپنی بڑائی سی ہوگی لیکن یہ واقعہ ہے کہ مولانا آزاد کو امیر منتخب کرانے میں سب سے زیادہ میں نے جدوجہد کی۔ اور اس سلسلے میں، میں جمعیت العلماء کے ایک ایک رکن سے ملا اور مجھے بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ قرار پایا کہ جمعیت العلماء کے اجلاس لاہور میں یہ مسئلہ طے کیا جائے۔ اس اجلاس میں دیوبند کے تمام اکابر شریک ہوئے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے مولانا آزاد کے حق میں ایک زبردست تقریر کی۔ جب امارت کا مسئلہ پیش ہوا تو اکثریت مولانا آزاد کے حق میں تھی۔ تھانہ بھون، فرنگی محل اور بریلی کے علماء اس اجلاس میں شریک نہیں ہوئے۔ علماء اہل حدیث کی جلد بازی بے وقوفی اور ان کے اس غلط پروپاگنڈے کہ ''مولانا آزاد انہیں میں سے ایک ہیں'' نے اس مسئلہ کو کامیاب نہ ہونے دیا اور یہ مسئلہ ملتوی ہوگیا، جس کا مجھے ہمیشہ صدمہ رہے گا۔ اسی طرح مولانا آزاد کی امارت کا مسئلہ اسی مرحلہ پر آ کر ختم ہوگیا۔

مولانا آزاد کی عظمت حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بہت زیادہ تھی اور آخر تک رہی۔ علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ مولانا آزاد کی علمی تحقیقات سے متفق نہیں تھا اس لئے بہت سی راہیں مسدود ہوگئیں اور کام آگے نہ بڑھ سکا۔ مولانا جن باتوں کو دیکھتے تھے اور جس راستے سے لوگوں کو آگے لے جانا چاہتے تھے، وہ بہت سے لوگوں کو جلد سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔

۱۹۲۸ء میں جب نہرو رپورٹ منظور ہوئی، میرا مولانا سے بہت زیادہ تعلق بڑھ گیا۔ مولانا آزاد ان دنوں اکثر دہلی میں ہی رہا کرتے تھے اور میں بھی دہلی ہی قیام پذیر رہا۔ مولانا کے ساتھ روزانہ ملاقات رہی۔

کلکتہ میں آخری خلافت کانفرنس ہوئی۔ جس کے صدر مولانا حسین احمد صاحب مدنی تھے۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر انصاری، مولانا شوکت علی، مولانا آزاد، مولانا ظفر علی خان شامل ہوئے۔ نہرو رپورٹ کی وجہ سے آپس میں شدید اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ مولانا آزاد، ڈاکٹر انصاری

اور میں ایک ہی کمرے میں ٹھہرے۔ میں نے دیکھا کہ صبح کو تین بجے مولانا آزاد نے خود ہی اپنے لئے چائے کا انتظام کیا۔ میں اٹھا تو انہوں نے مجھے بھی شریک کر لیا۔ مولانا آزاد کا آدھی رات سے اٹھنے کا معمول تھا۔ سادی چائے پی کر اور ضروریات سے فارغ ہو کر پڑھنے لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔

مولانا آزاد کی زندگی پر بہت سی کتابیں اور تذکرے شائع ہو چکے ہیں۔ ''الہلال'' کی فائل ان کی قابلیت کا زندہ ثبوت ہے۔ انہوں نے مخالف فضاؤں میں بھی استقلال کے ساتھ ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ پورے ایشیا کی رہنمائی کی۔ مولانا کی سب سے بڑی قابلیت یہ ہے کہ حالات کو دیکھ کر صحیح رائے قائم کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ مولانا میں جہاں علم و ذکاوت کی خوبیاں ہیں وہاں یہ عجیب بات ہے کہ وہ اچھے اور غلط آدمیوں میں کبھی تمیز نہیں کر سکے۔ ان کے پہلے اور مشہور سیکرٹری فضل الدین مرحوم کو جب میں نے دیکھا اور ان کے ملنے والوں کو دیکھا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ اس بارے میں بھی بڑے آدمی ہیں۔ کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں جن بڑی شخصیتوں کو دیکھا اور ان سے ملا ان کے نزدیک بہتر خدام اور اچھے آدمیوں کو بہت کم دیکھ پایا۔

اگر مولانا آزاد مہاتما گاندھی کی طرح روپیہ جمع کر جاتے اور پارٹی اکٹھی کر سکتے تو وہ ایشیا کے سب سے بڑے آدمی ہوتے اور ہندوستان کا موجودہ نقشہ یہ نہ ہوتا۔ مولانا نہ تو روپیہ جمع کر سکتے ہیں اور نہ اپنے گرد اچھے آدمی لا سکتے ہیں۔ جب کبھی انہوں نے جماعتی کاموں میں دخل دیا تو اس میں ناکام رہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے متعلق اپنی ذکاوت سے رائے قائم کرتے ہیں اور اگر وہ کسی وجہ سے کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے معاف نہیں کرتے اور اس شخص پر اپنی ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرتے اور اسے کسی قسم کا نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

بہت سے مخلص لوگ جن کی زندگیاں مولانا آزاد کے لئے برباد ہو گئیں مولانا آزاد نے ان کو اپنا نہیں سمجھا۔ وہ کسی کا مشورہ کم سے کم قبول کرتے ہیں۔ انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے مولانا کو مجبوراً ہندوستان کی ایک اونچی جماعت کے ساتھ منسلک ہونا پڑا۔ اور دنیا نے ان کی دیانت، امانت اور سیاسی بصیرت سے فائدہ اٹھایا۔ اور اٹھا رہی ہے اگر ملکی حالات ان کو اسٹیج پر آنے کے لئے مجبور نہ کر دیتے تو دنیا کے بہت کم آدمی مولانا آزاد سے واقف ہوتے۔

عجائبات روح

نثار احمد فتحی صاحب

روح کے متعلق قرآن کا فیصلہ:

روح کا لفظ لغت اور محاورے نیز قرآن شریف میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ جبرئیل امین کے لئے بھی قرآن میں آیا ہے اور حضرت عیسیٰ کے لئے بھی کئی آیات میں آیا ہے اور خود قرآن کریم اور وحی کو بھی روح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن مشہور و معروف معنی وہی ہیں جو اس لفظ کے سمجھے جاتے ہیں یعنی جان جس سے حیات اور زندگی قائم ہے۔

روح کی حقیقت:

یہ روح جس سے زندگی قائم ہے کیا شے ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ عرض ہے یا جوہر ہے؟ حادث ہے یا قدیم ہے؟ بدن میں داخل ہے یا خارج ہے؟ متصل ہے یا منفصل؟ ذی مکان ہے یا لامکان؟ اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض ملحدین کہتے ہیں کہ روح نکلنے کے بعد انسان ختم ہوجاتا ہے۔ نہ حشر ہوگا نہ نشر انسان کی موت ایسی ہے جیسے اور حیوانات کی یا سوکھی گھاس کی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ روح نکلنے کے بعد آدمی مست ہوجاتا ہے مگر قبر سے لیکر حشر تک یہ کسی عذاب سے نہ تکلیف پاتا ہے اور نہ کسی ثواب سے راحت۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ موت سے فنا نہیں ہوتی اور ثواب وعذاب روحوں کو ہی ہوتا ہے جسموں کو نہیں، اور جسم نہ دوبارہ اٹھائے جائینگے اور نہ پھر سے زندگی ہوں گے۔ یہ سب اقوال و خیالات باطل اور حق سے پھرے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں جو قول اعتبار کے لائق ہے وہ وہی ہے جو حدیث و قرآن سے ثابت ہے۔

بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مدینہ کے کھیتوں سے گزر رہے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی جس پر آپ ٹیک لگا کر چل رہے تھے۔ آپ چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے۔ حضور علیہ السلام کو دیکھ کر یہودی آپس میں کہنے لگے کہ ان سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ ایک شخص بولا ان سے کچھ مت پوچھو کہیں ایسا جواب نہ دیں جو تم کو ناگوار ہو دوسرے نے کہا ہم ضرور پوچھیں گے۔ چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ روح کیا ہے؟ آپ کچھ دیر خاموش رہے میں سمجھ گیا کہ وحی آنے والی ہے۔ کچھ دیر بعد جب وحی کی حالت دور ہو

گئی تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی"

ترجمہ: لوگ آپ سے (بطور امتحان) روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

یعنی روح اس کائنات میں سے ہے جس کی ایجاد بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے ہوئی ہے۔ اعضاء جسم کی طرح اس کی پیدائش کسی مادے کی اصل سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں کی سمجھ کے اندازے کے مطابق جواب دے دیا گیا جس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ دوسری مادی مخلوق کی طرح روح کی ہستی نہیں ہے بلکہ سب سے الگ ہے۔ لیکن یہودیوں نے تو روح کی حقیقت دریافت کی تھی اور حقیقت روح اس جواب سے واضح نہیں ہوئی اس لئے آگے فرمایا:

"وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"

ترجمہ: (غیر مادی چیزوں کا) تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا (تفسیر مظہری) یعنی اتنا جتنا تم اپنے حواس کے ذریعے حاصل کر سکو۔

روح کا بھید:

اللہ تعالیٰ نے روح کے بھید کو مخلوقات سے پوشیدہ رکھا ہے۔ کسی نے عقل کے ادراک سے اسے جانا ہے نہ آنکھ سے اسے دیکھا ہے۔ اگرچہ روح اپنے آثار و علامات سے ظاہر ہے لیکن عقل کی جستجو یہ ہے کہ ادراک کے ذریعے اس کی حقیقت معلوم کرے لیکن یہ بات ناممکن ہے البتہ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ روح کی معرفت روح ہی کے ذریعے ممکن ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے جب روح حق تعالیٰ کے جمال کو دیکھ لیتی ہے تو اس کی معرفت کا نور عقل کی شمع کو منور کر دیتا ہے۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر روح کی ماہیت کے متعلق عقل دوڑانا جائز ہوتا تو اس کے لئے سب سے افضل و اولیٰ شخصیت پیغمبر علیہ السلام کی تھی کیونکہ آپ کی عقل شریف حد سے زیادہ اور ساری مخلوق سے زیادہ اور کامل ترین تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ نے روح کے متعلق یہود کے سوال کا جواب عقل سے نہیں دیا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا یہاں تک کہ جواب میں "من امر ربی" فرمایا گیا جس میں روح کا وجود تو ثابت کیا گیا مگر کیفیت و ماہیت بیان نہیں کی گئی، کیونکہ یہ ایسا بھید ہے کہ جب تک خدا خود کسی کو نہ سمجھائے محض عقل کے ذریعے نہیں سمجھا جا سکتا۔ لہٰذا یہ واجب ہے کہ روح کی حقیقت و کیفیت کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے اور ہماری پست عقلوں کے لئے تو یہ اور بھی اولیٰ تر ہے کہ اس وجوب کی تعمیل کرے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی اور اس کے خواص امت کو بھی اس کا علم نہ ہو۔

دین کے بارے میں بہت سے مسائل ایسے دقیق اور پیچیدہ ہیں جیسے قضا و قدر، خیر و شر، ذات باری تعالیٰ، حروف مقطعات وغیرہ جو عوام کی عقلی سطح سے بہت اونچے ہیں۔ اس میں انسان جتنا عقل دوڑاتا ہے اتنا ہی مسئلہ الجھتا جاتا ہے انہیں مسائل میں روح اور اس کی کیفیت و ماہیت کا مسئلہ بھی ہے اس لئے شریعت کا حکم ہے کہ ایسے مسائل میں عوام کے لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہے اور اس میں ان کیلئے سلامتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے روح کے متعلق جو جواب دیا وہ مخاطب کی ضرورت اور عقل کے مطابق تھا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی بھی انسان سمجھ ہی نہ سکے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے اور نہ اثبات اگر کسی نبی اور رسول کو وحی کے ذریعے یا کسی ولی کو کشف و الہام کے ذریعے حق تعالیٰ حقیقت روح معلوم کرادیں تو اس آیت کے خلاف نہیں، بلکہ عقل و فلسفہ کی رو سے بھی اگر اس پر بحث و تحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لایعنی تو کہا جائیگا مگر ناجائز نہیں کہا جاسکتا اس لئے بہت سے علماء ربانی اور صوفیائے محققین نے روح کے متعلق اپنی تحقیقات اور انکشافات بیان کئے ہیں اور مستقل کتابیں بھی لکھیں ہیں۔ (معارف القرآن)

روح کے متعلق صوفیاء کے اقوال:

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جسم میں مختلف قسم کے اخلاط سے قلب کے اندر جو لطیف بخارات پیدا ہوتے ہیں اس کا نام ہادی النظر میں روح ہے انہیں بخارات کی مناسب تکوین سے زندگی وابستہ ہے اور انہیں کی پراگندگی سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ یہ روح جسم میں اس طرح ہوتی ہے جیسے پھول میں پانی یا کوئلے کے اندر آگ مگر یہ روح وہ نہیں جس کو امر ربی کہا گیا ہے بلکہ اس حقیقی روح کی سواری ہے جس پر اس کی استعداد کے مطابق عالم قدس سے روح حقیقی کا نزول ہوتا ہے۔ بخارات والی روح نسمہ کہلاتی ہے یعنی ہوائی روح۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو نسمہ یعنی ہوائی روح تحلیل ہوجاتی ہے لیکن اس سے حقیقی روح کا تعلق باقی رہتا ہے اور یہ ایک دوسری ہیئت اختیار کرلیتی ہے پھر اس میں روح الٰہی ایک حس مشترک کے ذریعے ایک قوت پیدا کردیتی ہے اور عالم مثال کی اعانت سے لباس نورانی یا ظلمانی (جیسے دنیا میں کام کئے ہوں) اوڑھ لیتی ہے۔ یہیں سے عالم برزخ کے عجائبات ظاہر

ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن روح الٰہی کے فیضان سے یہ روح لباس جسمانی یا اس کے مثل پہن لے گی اور وہ تمام باتیں جس کی خبر صادق مصدوق علیہ السلام نے دی تھی حرف بحرف پوری ہو جائیں گی۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

حضرت امام غزالی:

حضرت امام غزالی سے ایک سائل نے سوال کیا:

سوال: روح کی حقیقت بیان فرمایئے کہ یہ کیا ہے؟ آیا اس کا بدن میں حلول ہے جیسا کہ برتن میں یا عرض کا جوہر میں یا یہ جوہر بذات خود موجود ہے۔ اگر روح جوہر ہے تو ذی مکان ہے یا لامکان۔ اگر ذی مکان ہے تو اس کا مکان قلب ہے یا دماغ یا جسم کا کوئی اور حصہ۔ اگر لامکان ہے تو جوہر لامکان کس طرح ہوا۔

جواب: یہ سوال تو روح کے بھید اور اسرار سے ہے جس کا حضور علیہ السلام نے اہل سے بیان کرنے کا حکم نہیں دیا اور اگر تو اہل میں سے ہے تو سن! کہ روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز میں اور علم کا عالم میں ہوتا ہے بلکہ وہ تو جوہر ہے۔ کیونکہ اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور معقولات کا ادراک رکھتی ہے اور عرض میں یہ صفات نہیں ہوتیں اور روح کا جسم بھی نہیں کیونکہ جسم تقسیم قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہیں ہوتی۔ جب یہ غیر منقسم ہوئی تو وہ حال سے خالی نہ ہوگی یا تو ذی مکان ہوگی یا لامکان۔ ذی مکان ہونا اس کا باطل کیونکہ جو شئی ذی مکان ہوتی ہے وہ تقسیم قبول کرنے والی ہوتی ہے۔

سوال: اگر روح جوہر ہے تو اس کی کیا حقیقت ہے اور اس کا بدن سے کس طرح کا تعلق ہے آیا وہ بدن میں داخل ہے یا خارج متصل ہے یا منفصل۔

جواب: روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج۔ نہ بدن کے ساتھ متصل ہے اور نہ بدن سے الگ۔ کیونکہ یہ صفات جسم کی ہیں اور روح جسم نہیں ہے پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا کہ پتھر نہ تو عالم ہے اور نہ جاہل۔ کیونکہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہیے جب حیات ہی نہیں تو علم وجہل بھی نہیں۔

سوال: روح کسی جہت میں ہے یا نہیں؟

جواب: روح حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفات ہیں۔ روح جسم اور عرض نہیں،

اس لئے وہ ان عوارض سے پاک ہے۔

سوال: رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح کے بتانے اور اس بھید کے ظاہر کرنے کا حکم کیوں نہیں ہوا؟

جواب: لوگوں کے فہم اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے، کیونکہ لوگ دو قسم پر ہیں ایک عام اور ایک خاص، جو عام لوگ ہیں وہ روح کے اوصاف کو حق تعالیٰ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتے تو روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کریں گے؟

سوال: آپ نے روح کی جن صفات کا ذکر کیا وہ سب خدا تعالیٰ کی صفات ہیں اس طرح تو روح اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک ہوگئی؟

جواب: یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم انسان کو عالم، سمیع، بصیر، حی، قادر وغیرہ کہتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں مگر ان میں تشبیہ نہیں، کیونکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں اس طرح حیز اور مکان و جہت سے پاک ہونا بھی اس کے اخص صفات سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں صفت قیومیت کی ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور اس کے ماسوا سب اسی ذات کے سبب موجود ہیں اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔

سوال: بگوت من روحی میں روح کیوں فرمایا اگر نسبت کے یہ معنی ہیں کہ روح کا وجود خدا سے ہے تو سب چیزوں کا وجود اللہ تعالیٰ ہی سے ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ روح خدا کا جزء ہے جس کا بدن پر فیضان کیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اجزا ثابت ہوگئے۔

جواب: اگر یہ بات آفتاب بولے کہ میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی کہ نہیں تو اس نسبت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ یہ نسبت اس کی نسبت سے بہت ہی ضعیف ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم و اطلاع کی اس کو قوت ہے اور یہ مناسبات جسمانی شئی میں نہیں ہوتیں پس انہیں مناسبات کی وجہ سے خدا نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا اور من روحی فرمایا۔

(رسالہ موسوم بکل مسائل عامضہ مصنفہ امام غزالی، اردو ترجمہ: حقیقت روح)

انوارِ انوری

احوال و واقعات خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

قسط نمبر 26

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس روز بہاول پور پہنچے اس کے دوسرے روز حضرت مولانا خاتم المحدثین ۔مولانا انور شاہ صاحب کی خدمت میں علماء جمع ہوئے۔ جن میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارن پوریؒ اور احقر بھی شامل تھے۔ اگلے دن چونکہ مولانا محمد شفیع صاحب کی شہادت تھی اس لئے مشورہ ہوا کہ شہادت میں بیان کس طرح دیا جائے۔ مولانا اسعد اللہ صاحب اور احقر محمد لائل پوری عفا اللہ عنہ کو حضرت شاہ صاحبؒ نے تجویز فرمایا۔ کہ بطور مختار مقدمہ کام کریں۔ مدعیہ کی طرف سے ہم دونوں مختار مقرر ہوئے۔ اور ہم نے اس کام کو بزرگوں کے زیر سایہ بحمد اللہ نبھایا۔

میں نے اس مجلس میں عرض کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے انجام آتھم میں لکھا ہے کہ جس شخص نے کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کیا تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے رسول کی لعنت اور اس کے فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت جو ایک اجماعی عقیدہ ہے اس کا انکار کیا۔ اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی ہے اس نے خود عیسیٰ بننے کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان پر اعتقاد کرنا بھی اجماعی عقیدہ ہے۔ چنانچہ علماء نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ توہین انبیاء علیہم السلام اعیاذ باللہ توہین کرنا تو کفر ہے۔ چنانچہ الصارم المسلول میں حافظ ابن تیمیہؒ نے قرآن اور حدیث اور بے شمار علماء کی کتابوں سے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے۔

میں نے جب یہ بات کی تو حضرت شاہ صاحبؒ اس کو غور سے سنتے رہے۔ پھر اگلے دن صبح کو میرے پاس مفتی محمد شفیع صاحب تشریف لائے۔ کہ وہ عبارت کہاں ہے میں نے نکال کر پہلے پہلے تو

اپنی بیاض میں سے دکھلایا۔ پھر اصل کتاب میں سے وہ عبارت نکالی۔ جب کچہری کو چلے گئے تو میرے پاس کچہری میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ تشریف لائے۔ کہ وہ عبارت جو تو نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے پڑھی تھی وہ مجھے دکھا۔ پھر میں نے اپنی بیاض میں سے ان کو وہ عبارت لکھوادی اور اصل کتاب سے بھی دکھادی۔ پھر تو حضرت شاہ صاحبؒ ہر مشورے میں احقر کو بلاتے تھے اور بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

مولانا محمد شفیع صاحب کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کا بیان ہوا حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان دیا۔ احقر اس خدمت پر مامور تھا کہ کتابوں سے عبارات اور حوالہ جات نکال کر حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے رکھتا تھا۔ یہ میں نے حضرتؒ کی بڑی کرامت دیکھی جس کتاب کے متعلق فرماتے تھے کہ فلاں کتاب سے یہ عبارت نکالو تو میں فوراً نکال کر دکھا دیتا تھا۔ اور حضرت اس عبارت کو پڑھ کر جج صاحب سے لکھوا دیتے تھے۔ درمیان میں قادیانی مختار مقدمہ نے کہا کہ آپ حوالہ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگادوں گا۔ پھر فرمایا کہ جج صاحب انہوں نے بھی مولوی دیکھے نہیں۔

آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق ۱۳۳۶ھ میں جب حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے۔ تو آپ فرماتے تھے کہ فرمائیے۔ غریب پرور۔ ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۰۶ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے۔ اور ہم اس میں غالب رہے۔ یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کردیا۔ مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا۔ ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیان سے لاہور آ کر کل پہنچے سے چل دیے۔ خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نخستیں مے کہ اندر جام کردند ...... زچشم مست ساقی وام کردند

حضرت شاہ صاحبؒ آئے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا۔

زدریائے تمنا موج اردو ...... حباب انگیخت حادثہ نام کردند

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ قال ان بلالاً رای فی منامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لہ ما ھذہ الجفوۃ یا بلال اما ان لک ان تزورنی یا بلال فانتبہ حزیناً وجلاً خائفاً فرکب راحلتہ و قصد المدینۃ فاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل یبکی عندہ و یمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما فجعل یضمھما و یقبلھما فقالا لہ نشتھی نسمع اذانک الذی کنت تؤذن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ففعل فعلا سطح المسجد فوقف موقفہ الذی کان یقف فیہ فلما ان قال اللہ اکبر اللہ اکبر ارتج المدینۃ فلما ان قال اشھد ان لا الہ الا اللہ ازداد رجتھا فلما ان قال اشھد ان محمداً رسول اللہ خرج العواتق من خدورھن و قالوا أبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما رای یوماً اکثر باکیا و لا باکیۃ بالمدینۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذالک الیوم (رواہ ابن عساکر وقال التقی السبکی اسنادہ جید)

فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث اعلاء السنن جلد نمبر ۲ کے آخر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے۔ اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے۔ اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی لیا ہے۔ اور لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

ماحصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلالؓ شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال تم نے کیا جفاکاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے۔ پس حضرت بلالؓ جاگے گھبرا کر اپنی اونٹنی پر مدینے شریف کا رخ کیا۔ جب مدینہ تشریف لائے روضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر آئے تو سلام عرض کیا۔ تو حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بلالؓ کو ملے۔ حضرت بلالؓ نے دونوں سے معانقہ فرمایا۔ اور دونوں کو بدن سے چمٹا لیا۔ اور پیار کیا۔ ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں۔ تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا۔ جب اشھد ان لا الہ الا اللہ فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا۔ اور جب آپ نے اشھد ان محمدا رسول اللہ فرمایا تو تمام مدینہ میں چیخ و پکار پڑ گئی۔ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے؟۔

محبت الٰہی اور آخرت کی فکر

حضرت عبداللہ یافعیؒ

آخرت کی فکر والے

ابو عامر واعظ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ ایک حبشی غلام رقعہ لے کر آیا میں نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔ بھائی تم کو اللہ تعالیٰ دولت فکر نصیب فرمائے اور عبرت کی موافقت سے بہرہ اندوز فرمائے اور حب خلوت سے کامیاب فرمائے غفلت سے بیداری عطا فرمائے۔ ابو عامر! میں بھی تمہارے اخوان طریقت سے ہوں۔ مجھے آپ کی مبارک تشریف آوری کی خوشخبری پہنچی تو میں بہت خوش ہوا اور آپ کی زیارت اور آپ سے ہمکلام ہونے کا اس قدر شوق ہوا کہ اگر وہ شوق مجسم ہو کر میرے اوپر ہو تو سائبان بن جائے اور اگر نیچے ہو تو مجھے اٹھا لے۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے شرف زیارت سے محروم نہ فرمائیں۔ والسلام

ابو عامر کہتے ہیں کہ میں یہ محبت دیکھ کر حامل رقعہ کے ساتھ ہو لیا اور چلتے چلتے جب ہم مسجد قبا میں پہنچے تو وہ شخص ایک بہت وسیع ویران مکان میں گیا اور مجھ سے کہا کہ آپ باہر ٹھہریں۔ میں اندر آپ کی تشریف آوری کی اطلاع کرتا ہوں کچھ دیر بعد آیا اور کہا چلیں میں اندر گیا تو دیکھا کہ نہایت ٹوٹا پھوٹا گھر ہے اور کھجور کی لکڑیوں کے اس میں کواڑ لگ رہے ہیں۔ غرض ہر صورت سے شکستہ حالت میں ہے اور دیکھا کہ ایک بوڑھا ضعیف مرد حزن کے ساتھ خشیت کو لیے ہوئے اور تحیر کے ساتھ کرب اندوہ میں قبلہ رو بیٹھے ہوئے ہیں میں نے قریب جا کر سلام عرض کیا اور غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ باوجود اس بوڑھاپے کے اور کرب وحزن کے اندھا اور اپاہج ہے اور مختلف امراض واحزان ومصائب کا ہدف بن رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ اے ابو عامر اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو زنگ معاصی سے صاف پاک فرمائے میرے دل میں تمہارے دیکھنے اور تمہارے وعظ سننے کی آتش اشتیاق بہت شعلہ زن تھی اور مجھے ایک ایسا زخم خراش ہے کہ تمام واعظین اس کی اصلاح سے عاجز ہیں اور تمام اطبا و مسیحا نے جواب

دے دیا ہے میں نے سنا ہے کہ تمہارے پاس اسکا مرہم جان بخش ہے خدا کے لیے ذرا مہربانی فرما کر وہ تریاق حیات اگرچہ تلخ اور ناگوار ہو لے آؤ میں اس کی ناگواری پر صبر کرلوں گا۔

ابو عامر فرماتے ہیں کہ اس شیخ کی باتیں سن کر میرے سامنے ایک ہیبت ناک منظر کا سماں بندھ گیا اور اس کے کلام میں میں نے ایک غلبہ پایا اور ایک طویل فکر کے بعد اس کے مضامین دقیق معلوم ہوئے۔ میں نے کہا اے شیخ ذرا اپنی نگاہ قلب کو عالم ملکوت کی طرف منصرف کیجیے اور اپنے گوش معرفت کو اس طرف متوجہ فرمایئے اور اپنی حقیقت ایمان کو جنت الماویٰ کی طرف مائل کیجیے۔ تو جو نعمتیں اور جو تجلیں منعم حقیقی نے اپنے اولیاء کے لیے تیار فرمائی ہیں وہ آپ کے پیش نظر ہو جائیں گی۔ (یعنی وہ نعمتیں جالا متصور ہوں گی یا یہ معنی ہے کہ ان کی مثالی صورتوں کا انکشاف ہوگا) اس کے بعد آپ ذرا نار جہنم کی طرف بھی عنان توجہ مبذول کیجیے وہاں اللہ تعالیٰ نے جو عذاب و عقاب بدبختوں کے لیے تیار فرمائے ہیں آپ ملاحظہ کریں گے (بہ تفصیل مذکور) اس وقت آپ کو واضح ہوگا۔ اللہ اکبر دونوں دار یعنی دار ثواب و دار عقاب میں کس قدر فرق ہے اور یہ بھی واضح ہوگا کہ دونوں فریق موت میں برابر نہیں (یعنی اہل جنت اور اصحاب نار کی موت برابر درجہ کی نہیں)

ابو عامر کہتے ہیں کہ میری یہ باتیں سن کر شیخ روئے اور ٹھنڈے سانس بھرے اور سانپ کی مانند بل کھائے اور کہا ابو عامر واللہ تمہاری دوا کارگر ہوئی اور مجھے کامل یقین ہے کہ تمہاری دوا سے مجھے کامل شفا ہوگی۔ خدا تم پر بھی اپنا ابر رحمت برسائے۔

پھر میں نے کہا شیخ اللہ تعالیٰ تمہارے راز سے واقف ہے اور تمہیں خلوت اور جلوت میں دیکھنے والا ہے اور جب تم پوشیدہ ہو کر خلقت سے بیٹھتے ہو اس وقت بھی تم کو جانتا ہے یہ سن کر مثل سابق پھر ایک نعرہ مارا اور کہا کون ہے جو میرے فقر کو زائل کرے۔ کون ہے جو میرے فاقہ کو دفع کرے۔ کون ہے جو میرے گناہ اور بھول چوک بخشے اے میرے مولا آپ ہی یہ حاجتیں پوری کرنے والے ہیں، اور آپ ہی بازگشت اور ملجا و ماویٰ ہیں۔ یہ کہہ کر گر پڑا اور دیکھا گیا تو بے جان تھا...... رحمہ اللہ

اس کے بعد ایک کم عمر لڑکی میرے پاس آئی جو اون کا کرتا اور دوپٹہ پہنے ہوئے تھی اور پیشانی علامت سجدہ سے آراستہ تھی۔ کثرت قیام سے قدموں پر ورم تھا اور خوف الٰہی سے اس کا رنگ زرد تھا آ کر مجھ سے کہا اے قلوب عارفین کے نور خوش اور اے غم رسیدگان کی سوزش کے برانگیختہ کرنے

والے اتم نے خوب کام کیا شاباش حق تعالیٰ کے ہاں تمہارا کام مقبول ہوگا، بیشک میرے باپ بیس بیس سال سے اسی حالت میں نماز پڑھتے پڑھتے پانچ ہو گئے اور روتے روتے نابینا ہو گئے اور تمہارے ملنے کی اللہ تعالیٰ سے تمنا کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ابو عامر کی مجلس میں حاضر ہوا تھا انہوں نے میرے مردہ قلب کو حیات بخشی تھی اور میری غفلت کو دفع فرمایا تھا اگر پھر میں اس کی باتیں سنوں تو یقین ہے کہ وہ مجھے قتل کر دے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کہہ کر اپنے باپ کے پاس آئی اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور خوب روئی اور کہا ابا تم بہت اچھے تھے گناہوں کے خوف سے روتے روتے نابینا ہو گئے اور تم کو حق تعالیٰ کی دھمکی نے جان سے مار ڈالا۔ الحاصل اپنے باپ کے مناقب و محامد بیان کر کے وہ رو رہی تھی۔

ابو عامر کہتے ہیں، میں نے کہا تم اتنا کیوں روتی ہو تمہارے والد ماجد تو دار الجزاء میں تشریف لے گئے اور انہوں نے اپنے نیک اعمال کا بدلہ دیکھ لیا۔ یہ سن کر اس لڑکی نے اپنے باپ کے مثل ایک نعرہ مارا اور عرق عرق ہو گئی، پھر رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئی میں نے ان دونوں کی نماز جنازہ پڑھی۔

عبرت کا سامان

حضرت بہلول فرماتے ہیں بصرے کی راہ میں مجھے چند لڑکے ملے جو اخروٹ و بادام سے کھیل رہے تھے ان سے علیحدہ ایک لڑکے کو دیکھا جو ان لڑکوں کو دیکھ دیکھ کر رو رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا شاید یہ لڑکا ان کے پاس اخروٹ و بادام دیکھ کر رو رہا ہے اس کے پاس کھیلنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے کہا میاں لڑکے کیوں رو رہے ہو میں تمہیں اخروٹ و بادام کا دل لے دوں کہ تم ان سے کھیلو۔ اس لڑکے نے میری طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہا اے کم عقل ہم کھیل کود کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ میں نے کہا اے صاحبزادے پھر کس لئے پیدا ہوئے ہوئے، کہا علم حاصل کرنے اور خدا کی عبادت کے لئے۔ میں نے کہا تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ خدا تمہاری عمر میں برکت دے۔ کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

افحسبتم انما خلقنا کم عبثا وانکم الینا لا ترجعون

(کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار محض کھا پیدا کیا ہے اور تم پھر کر ہمارے پاس نہ آؤ گے؟) میں نے کہا صاحبزادے تم تو مجھے عقلمند معلوم ہوتے ہو کچھ مختصر سی نصیحت کرو۔ کہا دنیا چل چلاؤ پر کمر بستہ آمادہ سفر ہے۔ دنیا کسی کے لئے رہنے والی ہے اور نہ کوئی شخص دنیا میں باقی رہے گا۔ دنیا کی زندگی اور موت انسان کے لیے ایسی ہے جیسے دو گھوڑے تیز رفتار کے بعد دیگرے آنے والے ہوں۔ اے دنیا کے فریفتہ دنیا چھوڑ اور اس میں سامان سفر درست کر۔ حضرت بہلول فرماتے ہیں وہ لڑکا یہ کہہ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا اور ہاتھوں سے اشارہ کیا اور اس کے دونوں رخساروں پر موتیوں کی لڑیوں کی طرح آنسو گرنے لگے اور یہ کہا۔ نظم

اے خدا اے چارہ ساز بیکساں
اے رحیم چارہ درد نہاں
جس کسی نے بھی لگائی تجھ سے آس
پا گیا مطلب، رہی دل میں نہ یاس

یہ کہہ کر وہ لڑکا بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اور اپنی آستین سے اس کے چہرے کی خاک صاف کی جب ہوش میں آیا میں نے کہا صاحبزادے تمہیں کیا ہوا ہے تم تو ابھی معصوم بچے ہو۔ تمہارے نام کوئی گناہ نہیں لکھا گیا۔ کہا بہلول مجھے چھوڑ دو میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے وہ آگ جلانے میں جب تک چھوٹے چھوٹے تنکے گھاس پھوس بڑی لکڑیوں میں نہیں ملاتیں آگ روشن نہیں ہوتی۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ دوزخ کے ایندھن میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ کہیں میں نہ ہوؤں۔ پھر میں نے کہا صاحبزادے تم بڑے عقلمند ہوشیار ہو۔ مجھ کو مختصر سی کچھ اور نصیحت کرو۔ کہا افسوس میں غفلت میں رہا اور موت پیچھے آ رہی ہے آج نہ گیا تو کل ضرور ہی جانا ہے۔ دنیا میں اپنے جسم کو نرم و نفیس پوشاک میں چھپایا تو کیا فائدہ آخر کو مرنے کے بعد گل سڑ کر خاک ہو جانا ہے اور قبر میں خاک کا اوڑھنا اور خاک کا ہی بچھونا ہے۔ ہائے مرتے ہی سب خوبی و جمال جاتا رہے گا اور ہڈیوں پر گوشت پوست کا نشان تک نہ رہے گا۔ وائے صد وائے عمر گزر گئی اور کوئی مراد حاصل نہ ہوئی۔ نہ میرے ساتھ کوئی سفر کا توشہ تیار ہوا میں اپنے حاکم و مالک کے روبرو اس حال میں کھڑا ہوں گا کہ گناہوں کا بار سر پر ہوگا دنیا میں ہزار پردوں میں خدائے کریم کی نافرمانی کر کے گناہ کئے۔ مگر قیامت

میں وہ سب عالم الغیب کے سامنے ظاہر ہوں گے۔ کیا دنیا میں خدا کے غضب سے بے خوف ہو کر گناہ کرتا تھا۔ نہیں بلکہ اس کی مغفرت اور بردباری پر تکیہ تھا وہ ارحم الراحمین چاہے عذاب دے چاہے بخش اپنے کرم سے درگذر فرمائے۔ حضرت بہلول فرماتے ہیں جب وہ وعظ کہہ کر خاموش ہوا میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور وہ لڑکا چل دیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو ان لڑکوں میں تلاش کیا کہیں پتہ نہ پایا۔ لڑکوں سے جب اس بچے کا حال دریافت کیا تو بولے تم نہیں پہچانتے۔ میں نے کہا نہیں، کہا یہ لڑکا حضرت سیدنا حسین بن علی بن ابی طالبؑ کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا مجھے احساس تھا کہ یہ کسی ایسے ہی بڑے عظیم الشان درخت کا پھل ہوگا۔

ستر برس تک آسمان کی طرف نگاہ نہ اٹھائی

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں میں نے نویں ذوالحجہ کے دن ایک شخص کو دیکھا کہ خدا کی محبت کے غلبے میں رو رہا تھا اور نہایت شدت سے پکار کر کہہ رہا تھا "پاک ذات ہے وہ اگر ہم اسے سجدہ کریں اور سر دو آنکھوں کو کانٹوں اور سوئیوں پر رکھیں تو اس کی نعمتوں کا حق دس میں سے ایک حصہ بھی نہ ادا کر سکیں۔ خداوند ہم نے کس قدر خطائیں کیں اور تجھے اس وقت یاد نہ کیا اور اے مالک! تو ہم کو پوشیدہ یاد کرتا ہے ہم نے جہالت سے گناہ کیا اور تجھ سے اپنی دانست میں چھپایا اور تو ہمارے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی"۔ کہتے ہیں پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا جب میں نے نہ دیکھا تو لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ تو ابو عبیدہ خواص خاصان خدا میں سے ہیں ستر برس ہوئے انہوں نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بولے میں شرماتا ہوں کہ اپنا منہ اپنے محسن کی طرف کروں۔

تعجب ہے کہ نیک فرمانبردار ہو کر باوجود حسن طاعت کے عجز و انکساری کرے اور نافرمان تمرد اور سرکشی سے پیش آئے اور اپنے گناہوں سے نہ شرمائے۔ خداوند! اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا اور اپنے نیک دوستوں کی برکت سے ہم کو شفیع دارین عطا فرمانا اور انہیں بزرگوں کے ساتھ ہمارا حشر کرنا۔

(آمین)



خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

ایمان اور اعمال صالحہ

عورتوں کو گناہوں سے ڈرانے اور جہنم میں عورتوں کی کثرت کا بیان

(1) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ''میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا، اس میں داخل ہونے والے اکثر لوگ مساکین تھے جبکہ مال داروں کو روک دیا گیا سوائے جہنمی لوگوں کے کہ انہیں جہنم میں ڈالے جانے کا حکم دیا گیا پھر میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں کثرت عورتوں کی ہے۔''

(2) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے حضور کا فرمان نقل فرماتے ہیں: ''میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں اکثر فقراء لوگ تھے اور جب میں نے جہنم میں جھانک کر دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں۔''

(3) ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل فرماتے ہیں ''مجھے جہنم دکھائی گئی تو اکثر اہل جہنم میں وہ عورتیں تھیں'' کسی نے پوچھا ''کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی تھیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ خاوند کی ناشکری کرتی تھیں، اور احسان فراموشی ان کا شیوہ تھا، اگر تو ساری عمر اس سے اچھا سلوک کرتا رہے اور پھر وہ تجھ میں کوئی ناگوار بات دیکھ لے تو کہے: ''میں نے تجھ میں کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں''۔

(4) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ دیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو، کیونکہ میں نے تمہیں دوزخیوں میں

سے اکثر پایا ہے" ایک عورت جزلہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم کس وجہ سے کثرت سے دوزخ میں جائیں گی؟" فرمایا! "تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے دین اور عقل کے اعتبار سے تم سے زیادہ ناقص مخلوق کو نہیں دیکھا جو عقل مند آدمی کی عقل کو زائل کر دے" اس عورت نے کہا "عقل اور دین کا نقصان کس اعتبار سے ہے" فرمایا! "عقل کے نقصان اور کمی کی علامت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، اور وہ کئی راتیں ایسی گزارتی ہے جس میں نماز نہیں پڑھ سکتی اور رمضان میں کچھ دن روزہ نہیں رکھ سکتی۔ یہ اس کے دینی نقص کی علامت ہے۔"

شرح حدیث:

امام نووی "شرح مسلم" میں فرماتے ہیں "عورت کئی راتیں ایسی گزارتی ہے اور نماز نہیں پڑھ سکتی" یعنی وہ کچھ دن اور کچھ راتیں حیض کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتی اور رمضان کے چند دن حیض کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتی۔ باقی یہ کہ حدیث کے احکام میں علوم کے چند نمونے اور جملے ہیں (۱) صدقہ، نیک اعمال، کثرت استغفار اور تمام اطاعات کی ترغیب دینا (۲) نیکیاں، برائیوں کو ختم کرتی ہیں جیسا کہ یہ بات قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتی ہے (۳) خاوند کی نافرمانی اور احسان فراموشی کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ جہنم کی وعید کسی گناہ کے کبیرہ ہونے کی علامت ہے (۴) لعن طعن کرنا بھی بڑے قبیح گناہوں میں سے ہے، اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ لعن طعن کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو" لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب کسی صغیرہ گناہ کو کثرت سے کیا جائے تو وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن کو لعن کرنا اس کے قتل کی مانند ہے۔"

لعن کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم:

علماء کا لعن طعن کی حرمت پر اتفاق ہے، کیونکہ لغت میں اس کے معنی دور کرنے اور دھتکارنے کے آتے ہیں، اور اس کا اصطلاحی معنی ہے "کسی کو حق تعالیٰ عزوجل کی رحمت سے دور کرنا" لہٰذا کسی کو اللہ کی رحمت سے دور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی حالت اور خاتمہ قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کسی کی لعنت کرنا جائز نہیں خواہ مسلمان ہو یا کافر یا جانور ہی کیوں نہ ہو............ ہاں البتہ

اگر نص قطعی سے یہ بات معلوم ہو کہ اس کی موت کفر پر واقع ہوئی جیسے ابو جہل یا وہ کفر پر مرے گا جیسے ابلیس، تو ان کو لعنت کرنا جائز ہے۔

کسی کی ذات کو نشانہ بنا کر تو لعن طعن حرام ہے لیکن اگر کسی صفت پر لعنت کی جائے تو حرام نہیں جیسے بال اکھیڑنے والی اور بال اکھیڑوانے والی عورت پر لعنت، جسم میں گودائی کرنے والی اور کروانے والی عورت پر لعنت، سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت تصویر کشی کرنے والوں، ظالموں، کافروں، فاسقوں اور اس شخص پر لعنت جو زمین کی حد بندی کے نشان کو تبدیل کرے اور اس شخص پر لعنت جو دوسروں کی جائیداد کا مالک بنے، اور اپنے باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی طرف منسوب ہونے والے پر لعنت، اور اسلام میں کوئی نئی بات پیدا کرنے والے پر لعنت، اور بدعتی کو پناہ دینے والے پر لعنت، اور اس کے علاوہ دوسری مخصوص صفات جن میں کسی ذات پر لعنت نہیں کی گئی بلکہ مطلقاً ان مذکورہ اوصاف پر لعنت کی گئی ہے۔

(5) اس حدیث میں کفر کا اطلاق اللہ کا کفر کرنے کے علاوہ پر کیا گیا ہے جیسے خاوند، احسان نعمت، حق کا کفر یعنی ناشکری کرنا اس سے معلوم ہوا کہ لفظ کفر کی نسبت غیر اللہ کی ناشکری کی تعبیر کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔

(6) اس حدیث میں ایمان کی زیادتی اور کمی کا بیان بھی ہے۔

(7) اس حدیث میں امام، عہدہ و منصب کے حامل افراد اور بڑے لوگوں کے لئے اپنی رعایا کو وعظ کرنے کا درس بھی ملتا ہے کہ وہ انہیں نیکیاں کرنے پر ابھاریں اور گناہوں کے نقصانات سے انہیں ڈرائیں۔

(8) اس حدیث سے یہ حق ملتا ہے کہ ہر طالب علم استاد سے اس بات کا معنی پوچھ سکتا ہے جو اس کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کا معنی واضح نہ ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔

(9) اس حدیث میں چونکہ رمضان کا لفظ "شہر" کی طرف اضافت کے بغیر آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کے بجائے صرف "رمضان" بھی کہہ سکتے ہیں، اگر چہ اضافت کے ساتھ استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "عورتوں کی عقل کے ناقص ہونے کی علامت یہ ہے

کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔" یہ ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ نکتہ وہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى" (دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے گی) سے تنبیہ فرمائی ہے، یعنی یہ عورتیں ضبط اور یاد رکھنے کے اعتبار سے ناقص ہیں۔

عقل کی حقیقت:

علماء کا عقل کی حقیقت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک عقل "علم" سے عبارت ہے بعض علماء فرماتے ہیں: "یہ علوم ضروریہ کا نام ہے" بعض کے نزدیک "عقل سے مراد ایسی قوت ہے جو معلومات کی حقیقتوں کو تمیز دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

عقل کی حقیقت کے بارے میں علماء نے خوب بحث کی اور اس کی اقسام کو بیان کیا لیکن ان کو ذکر کرنے سے طوالت کا اندیشہ ہے، البتہ عقل کے محل کو بیان کرنا ضروری ہے، اس بارے میں بھی اختلاف ہے، بعض متکلمین (عقائد پر بحث کرنے والے علماء) فرماتے ہیں "عقل دل میں ہوتی ہے" لیکن علماء کی رائے یہ ہے کہ "عقل کا مقام محل سر ہے"

عورتوں کے دین اور عقل کی کمی کا مطلب:

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو دین کے اعتبار سے ناقص قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ وہ حیض کے زمانہ میں نماز اور روزہ نہیں ادا کر سکتیں، اس حدیث کے معنی میں بظاہر تھوڑی سی پیچیدگی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت کوئی پیچیدگی نہیں بلکہ اس کا معنی ظاہر ہے، کیونکہ دین، ایمان اور اسلام ایک معنی میں مشترک الفاظ ہیں، اور طاعات کو ایمان اور دین کا نام دیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس کی عبادات زیادہ ہوں گی اس کا ایمان اور دین بھی زیادہ ہوگا اور جس کی عبادات کم ہوں گی اس کا دین بھی ناقص ہوگا۔ پھر دین کے نقص کی مختلف صورتیں ہیں، کبھی تو ایسا کرنے والے گناہ گار ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ اور دوسری عبادات واجبہ کو بغیر عذر کے چھوڑنا اور کبھی دین میں کمی کرنے سے آدمی گناہ گار نہیں ہوتا جیسے جمعہ، جہاد اور دوسری واجب عبادات کو کسی عذر کی وجہ سے چھوڑنا، اور کبھی وہ دین کے کسی عمل کے چھوڑنے کا مکلف اور پابند ہوتا ہے جیسے حائضہ کا روزہ اور نماز وغیرہ کو چھوڑنا۔

اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر عورت معذور ہے تو کیا اگر وہ حالت حیض میں نماز ادا کرے تو اسے ثواب ہوگا اگرچہ اس کی قضا نہ کرے، جیسا کہ مریض اور مسافر کو ثواب ہوتا ہے اور حالت سفر اور حالت مرض میں اس کے لئے ان نفل نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور وہ صحت اور سفر کی حالت میں ادا کیا کرتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ ایسا کرنے پر اسے ثواب نہ دیا جائے گا، اور دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ مریض اور مسافر اس نیت کے ساتھ اعمال کیا کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ ان کی اہلیت کے ساتھ ان اعمال کو ادا کریں گے جبکہ عورت کی نیت میں یہ بات شامل تھی کہ وہ حالت حیض میں نماز کو چھوڑ دے گی، بلکہ یہاں تک کہ حالت حیض میں اس پر نماز کی نیت کرنا بھی حرام ہو جائے گا۔ اس عورت کی عین مثال وہ مریض یا مسافر ہے جو کبھی نفل پڑھتا ہو کبھی چھوڑ دیتا ہو اور نوافل پر دوام کی نیت بھی نہ ہو تو اس شخص کے مرض یا سفر میں اس وقت کا ثواب نہ لکھا جائے گا جس میں یہ نفل نہ پڑھا کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔

(5) عمارہ بن خزیمہ فرماتے ہیں: ''ہم ایک حج یا عمرہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے، انہوں نے فرمایا: ''ہم اس گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا تھا: ''دیکھو، کیا تمہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟'' ہم نے عرض کیا ''ہمیں کووں کا ایک غول نظر آ رہا ہے جس میں سفید پروں والا اور سرخ چونچ اور پیروں والا ایک کوا ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورتوں میں سے صرف اتنی ہی عورتیں جنت میں جائیں گی جتنا کہ اس غول میں یہ ایک کوا ہے۔''

(6) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں ''ایمان والی عورت کی مثال کووں کے غول میں سفید بازوں اور سرخ چونچ اور پیروں والے کوے کی سی ہے، اور یقیناً جہنم کو بیوقوفوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اور عورتیں بھی بیوقوف ہوتی ہیں سوائے اس عورت کے جس کے پاس پانی کا برتن ہو اور وہ چراغ پکڑ کر خاوند کو وضو کرا رہی ہو۔'' (یعنی ہمہ تن کوش ہو کر خاوند کی خدمت میں مشغول ہو)

(7) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فساق لوگ ہی جہنمی ہیں'' کسی نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! فساق سے کیا مراد ہے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورتیں'' ایک آدمی نے عرض کیا، کیا وہ ہماری مائیں، بہنیں اور بیویاں نہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن جب انہیں کوئی چیز عطا کی جاتی ہے تو شکر ادا نہیں کرتیں اور جب انہیں کوئی آزمائش لاحق ہوتی ہے تو صبر نہیں کریں۔''

بہشت کا مناظرہ

بنت غلام مصطفیٰ ربانی

جنت میں ایک مناظرہ ہوگا جنت کی حوروں اور ایمان والی عورتوں کے مابین حالانکہ ایمان والی عورتوں میں حبشی بھی ہیں۔ ربیعہ بصری بھی ام ایمنؓ بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی باندی تھیں اسامہؓ کی ماں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی ماں جیسا سمجھتے تھے حبشی عورت ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

جو کسی جنت کی عورت کو دیکھنا چاہے تو ام ایمن کو دیکھ لے۔

مناظرہ ہو رہا ہے ادھر جنت کی حوریں، ادھر ایمان والی عورتیں۔ جنت کی عورتیں فخر کر رہی ہیں۔

نحن الخالدات فلا نموت......ہم ہمیشہ زندہ ہیں ہمیں موت نہیں آتی!

نحن الناعمات فلا نبعث......ہم ہمیشہ جوان ہیں بڑھاپا نہیں آیا!

نحن الراضیات فلا نسخط......ہم ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں، چھوڑتی نہیں!

نحن المقیمات فلا نرحل......ہم ہمیشہ خوش رہتی ہیں، کبھی لڑائی نہیں کی!

یہ چاروں باتیں دنیا کی عورتوں میں نہیں۔ موت بھی ہے بڑھاپا بھی ہے ساتھ کا چھوٹنا بھی ہے لڑائی بھی ہے گویا دنیا کی عورتوں میں یہ چار عیب ہیں اس کا جواب ایمان والی عورتیں یوں دیں گی

نحن المصلیات فما صلیتن......ہم نے نماز پڑھی تم نے کوئی نہیں پڑھی!

نحن الصائمات فما صمتن......ہم نے روزے رکھے تم نے نہیں رکھے!

نحن المتصدقات فما تصدقتن ..... ہم نے اللہ کے نام پر مال خرچ کیے تم نے نہیں کیے!

نحن المتوضئات فما توضأتن ..... ہم نے اللہ کے نام پر وضو کیے تم نے نہیں کیے!

اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نقلَ عن ..... ان چار صفات کی وجہ سے ایمان والی عورتیں جنت کی حوروں پر چھا جائیں گی۔ اسی طرح ایمان والی عورت جنت کی حور سے ستر ہزار گنا زیادہ حسین وجمیل ہو جائیں گی۔ یہاں مردوں پر غالب رہتی ہیں، وہاں حوروں پہ بھی غالب آ جائیں گی۔ یہاں بھی زندہ باد وہاں بھی زندہ باد

﴿عورت کیلئے سب سے بہتر چیزیں﴾

بنت عبداللطیف۔ فیصل آباد

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں جلوہ فرما تھے اور صحابہ کرام نبوت کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے موتیوں کے شوق اور انتظار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

"اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِلْمَرْأَۃِ"

ترجمہ: عورت کیلئے سب سے بہترین چیز کونسی ہے؟

مجلس میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ بھی موجود تھے۔ سوال سن کر حاضرین مجلس خاموش رہے۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی ضرورت کیلئے مجلس سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ وہاں جنتی عورتوں کی سردار حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی تو مجلس والا سوال ان سے ذکر کیا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے فوراً جواب دیا۔ "اَلشَّیْءُ الَّذِیْ خَیْرٌ لِلْمَرْأَۃِ ھُوَ اَنْ لَّا تَرَیَ الرِّجَالَ وَلَا یَرَوْنَھُنَّ" کہ عورت کیلئے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ عورتیں اجنبی مردوں کو نہ دیکھیں اور اجنبی مرد عورتوں کو نہ دیکھیں۔ حضرت علیؓ مجلس میں حاضر ہو گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سوال کا جواب ذکر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا اِنَّھَا صَدَقَتْ کہ فاطمہؓ نے سچ فرمایا ہے اور خوش ہو کر فرمایا وہ واقعی میرا جگر پارہ ہے۔

بچوں کے صفحات

سراقہ بدو اور کسریٰ کے کنگن

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ کے شکر ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن جب کافر اس قدر طاقت ور ہو جائیں کہ ان کے ظلم کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کیلئے ممکن نہ رہے تو مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنا بچانے کیلئے کسی دوسرے علاقے میں چلے جائیں۔ اس طرح اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں اور یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔

یہی صورت حال ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پیش آئی جب مکہ میں آپ نے تیرہ سال تک اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا لیکن کافروں کی دشمنی بڑھتی گئی اور آخر کار انہوں نے ایک رات آپ کے مکان کا گھیراؤ کر لیا تاکہ صبح جب آپ نماز کے لئے گھر سے باہر تشریف لائیں تو آپ کو شہید کر دیا جائے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کافروں کے ہر ارادے اور ہر حرکت کی اطلاع دے دی اور اللہ پاک کا فرشتہ جبرئیل امین یہ ساری باتیں آپ کو بتا گیا اور یہ بھی کہہ گیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ آپ نے دوپہر کو ہی ہجرت کی تیاری کے لئے اپنے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضروری ہدایات دے دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کافی پہلے سے اندازہ تھا کہ اللہ پاک اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جلدی ہجرت کی اجازت دینے والا ہے اس لئے انہوں نے دو اونٹنیاں خرید کر انہیں خوب کھلا پلا کر لمبے سفر کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ مکہ سے مدینہ تقریباً پونے تین سو میل شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ انہوں نے ایک کافر عبد اللہ بن اریقط کو اس بات پر رضا مند کر لیا تھا کہ وہ اس سفر میں

انہیں راستہ بتانے کے لئے تیار رہے۔ انہیں اس شخص پر بہت اعتماد تھا کہ یہ راز فاش نہیں کرے گا اور واقعی اس نے راز فاش نہ کیا۔ اسے مزدوری پر راضی کیا تھا۔

چنانچہ ۲۷ صفر بروز جمعرات جبکہ آپ کی عمر کا ۵۳ واں سال شروع ہو رہا تھا، آپؐ رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے نکل کر جنوب میں واقع غار ثور میں پہنچ گئے۔ یہ جگہ مکہ سے تقریباً چھ میل دور تھی۔

پیارے بچو! مکہ کو چھوڑتے ہوئے آپ کو بہت دکھ ہوا اور آپؐ نے حزورہ کے مقام پر پہنچ کر بیت اللہ کی طرف رخ مبارک کیا اور ارشاد فرمایا

''اے مکہ! خدا کی قسم! تو مجھے اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی زمین میں تو ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔''

عزیز دوستو! یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانا تو مدینہ چاہتے تھے جو مکہ کے شمال مغرب میں ہے لیکن آپ نے ہجرت کے سفر کا آغاز اس کی مخالف سمت یعنی جنوب کی طرف جانے سے کیا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ دن کو کفار آپ کو شمال مغرب والی شاہراہ پر تلاش کریں گے اور جنوب کی طرف ان کا خیال تک نہ جائے گا اس طرح آپ محفوظ رہیں گے اور یہی ہوا دوسرے دن اور تیسرے دن کفار نے آپ کی تلاش میں مکہ سے مدینہ جانے والی شاہراہ کا چپہ چپہ چھان مارا کیونکہ قریش نے آپ کی گرفتاری کے لئے سو اونٹ انعام رکھا تھا۔

تین دن رات غار ثور میں گزارنے کے بعد آپؐ نے مدینہ کی روانگی کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ یکم ربیع الاول (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) دوشنبہ یعنی پیر کے دن ہدایات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن اریقط اور دو اونٹنیوں سمیت علی الصبح جبل ثور کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور یہ مختصر سا قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے اور حضرت ابوبکر صدیق پیچھے بیٹھے اور دوسری اونٹنی پر حضرت ابوبکرؓ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہؓ اور عبداللہ بن اریقط بیٹھے اور مکہ سے مدینہ جانے والی اس شاہراہ پر سفر شروع کیا جو سمندر کے ساتھ ساتھ بہت دشوار گزار منزلوں والی تھی۔

دوسرے دن آپؐ تپتی ہوئی ریت کے بڑے علاقے سے گزرے جہاں ایک چٹان کی

اوٹ میں کچھ دیر آرام بھی فرمایا۔ راستے میں ایک جگہ بنی مدلج کا علاقہ تھا جس کا سردار سراقہ بن مالک بن جعشم کنانی اس وقت اپنی چوپال میں بڑی شان وشوکت سے موجود اپنے دوستوں سے ہنسی خوشی کی باتیں کر رہا تھا کہ ایک شخص چوپال کے اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔

"یا شیخ! میں نے ابھی ساحل کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ اونٹوں پر سوار دیکھے ہیں وہ بڑی تیزی سے جا رہے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں"۔

سراقہ یہ سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ ان کے گرفتار کر لینے پر سو اونٹوں کا انعام حاصل کرنے کا موقع اب آ گیا ہے۔ لیکن اس نے اپنا ارادہ ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ بولا۔

"وہ یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی نہیں ہیں وہ تو فلاں فلاں آدمی ہیں جو تھوڑی دیر پہلے ہمارے سامنے سے گزرے ہیں"۔

یہ کہہ کر سراقہ تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا لیکن اسے سخت بے چینی تھی کہ شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے اس لئے وہ اٹھا اور یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ میں ابھی واپس آ رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ سیدھا اپنے گھر گیا اور جاتے ہی اپنی لونڈی سے کہا۔

"ترکش اور کمان جلدی لاؤ اور میرا گھوڑا ابھی ان کو لے کر ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی رہو میں ابھی آ رہا ہوں"۔

وہ پہلے باہر نکلا چوپال میں گیا اور وہاں سے پھر واپس آ کر اس ٹیلے کے پاس پہنچا جہاں لونڈی اس کی منتظر تھی۔ اس نے اپنا ترکش کندھے سے لٹکایا، تلوار دوسرے کندھے سے لٹکائی نیزہ سنبھالا۔ سر پر خود پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ جا وہ جا نظروں سے غائب ہو گیا۔

ساحل سمندر سے ذرا ہٹ کر جانے والے راستے پر دور سے وہ اونٹ نظر آئے جن پر کچھ آدمی بیٹھے تھے۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی گرفتاری پر قریش مکہ نے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے اپنے شکار کو یوں سامنے دیکھ کر اس نے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑ گئیں اور اس نے فال کا تیر نکال کر دیکھا (جس سے یہ حساب کتاب لگاتے تھے کہ یہ کام ہوگا یا نہیں ہوگا؟) لیکن جب فال کے تیر کو دیکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن اس پر انعام کی دھن سوار تھی۔ اس نے سوچا

"یہ فال غلط ہے میرا شکار سامنے ہے، وہ سب نہتے ہیں جبکہ میرے پاس سب ہتھیار موجود

ہیں میں یقیناً اُن پر قابو پالوں گا۔"

یہ سوچ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگادی اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

آپ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ کسی طرف بھی مُڑ کر نہ دیکھتے تھے۔ البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے چوکس تھے اور چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے سراقہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن ابھی اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا تھا۔

سراقہ اپنی دھن میں مگن گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے آ رہا تھا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے محبوب کا تعاقب کوئی آسان بات نہ تھی۔ وہ یکا یک گھوڑے سے گرا اور کافی دیر کے بعد سنبھلا۔ گھوڑا سوار کے گر جانے کے بعد وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ لیکن لالچ نے اُسے انجام سے اندھا کر رکھا تھا۔ اس نے پھر فال کا تیر نکالا۔ لیکن فال اب بھی اس کے خلاف تھی۔ تاہم اُس نے اس دفعہ فال کی پرواہ نہ کی اور گھوڑے کو ایڑ لگادی۔

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی اونٹنیاں بڑی تیزی سے جا رہی تھیں مگر سراقہ کا گھوڑا تازہ دم تھا اس لئے وہ جلدی اُن کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب سراقہ کو اس طرف اپنے بالکل قریب دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تعاقب کرنے والا اب بالکل قریب آ پہنچا ہے۔"

لیکن آپ نے نہ پیچھے مُڑ کر دیکھا نہ کسی خوف یا گھبراہٹ کا اظہار کیا بلکہ نہایت سکون سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی۔

"یا اللہ! اس کے شر سے بچا!"

جونہی یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا اور ایسی گرد اڑی جو دھوئیں کی طرح آسمان تک پھیل گئی۔ سراقہ دل ہی دل میں ڈر گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ معاملہ ہی دوسرا ہے۔ سراقہ نے جن کو کمزور سمجھ کر تعاقب کیا تھا ان کے حکم سے زمین نے سراقہ کے گھوڑے کو پیٹ تک نگل لیا اور وہ خوف زدہ سا ہو کر رہ گیا۔ اس نے سوچا۔

"اس سخت زمین میں گھوڑے کا سُم تک نہیں دھنس سکتا پھر اس کی ٹانگیں پیٹ تک کیسے دھنس گئیں؟ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں؟"

سراقہ نے یہ سوچ کر پھر فال نکالی۔ مگر فال اب بھی اس کے خلاف تھی۔ اب کی دفعہ وہ انعام پانے سے مایوس ہوگیا۔ اس پر ہیبت طاری ہوگئی اور خوف کے مارے وہ بڑبڑانے لگا۔

''اوہ! میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا! یہ فال تو کہہ رہی ہے۔''

سراقہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا ہوا پریشان حال سوچ میں غرق تھا کہ اب اس کا گھوڑا زمین سے کیسے اور کیونکر باہر آئے گا؟ اس کو یقین ہوگیا کہ وہ ان مسافروں پر قابو نہیں پاسکتا۔ اس لئے اس نے پکار کر کہا۔

''میں سراقہ بن جعشم ہوں آپؐ سے امان (حفاظت) چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی بات کہنے کا موقع دیں۔ خدا کی قسم میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور نہ کوئی ایسی حرکت کروں گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔''

آپؐ نے اس کے لئے دعا کی۔ اونٹنیوں کو روک لیا اور اس کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کا گھوڑا زمین کی گرفت سے آزاد ہوگیا اور سراقہ ان کے بالکل قریب آگیا۔ اس نے جب آپؐ کا روشن چہرہ مبارک دیکھا تو نبوت کے رعب سے لرز اٹھا اور عرض کیا۔

''آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری کے لئے سو اونٹ دینے کا اعلان کر کے بے شمار لوگوں کو مہم جو بنا دیا ہے میں بھی اسی لالچ کی وجہ سے آپؐ کے تعاقب میں نکلا تھا اور بیشمار لوگ اسی دھن میں شاہراہوں کا چپہ چپہ سونگھتے پھرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے راستے کے لئے ضروریات اور سامان کی پیشکش کی لیکن آپؐ نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے تم صرف یہ کام کرو کہ کسی کو ہماری اطلاع نہ ہونے پائے۔'' سراقہ نے جواباً عرض کیا۔

''آپ مطمئن رہیں، میں اب ہر تعاقب کرنے والے کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا۔''

یہ سن کر آپؐ کے چہرہ مبارک پر خوشی کی لہریں پھیل گئیں اور سراقہ نے موقع غنیمت جان کر عرض کیا:

''مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجئے''

آپؐ نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے حضرت عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ کی تحریر لکھ کر سراقہ کے حوالے کر دی۔ سراقہ نے اس

نہایت حفاظت سے اپنی جیب میں ڈالا اور مزید عرض کیا:

''اے اللہ کے نبی مجھے حکم دیجئے جو کچھ آپ چاہیں؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''بس اپنی جگہ پر ٹھہرو اور کسی کو ہم تک نہ پہنچنے دو۔''

ابھی تھوڑی دیر پہلے سراقہ دشمن جان بن کر آیا تھا اور اب پاسبان (چوکیدار) بن کر واپس جا رہا ہے۔

اس نے جب واپس جانے کے لئے قدم اٹھایا تاکہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو سکے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''سراقہ اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟''

سراقہ حیرت زدہ سا رہ گیا اور ایک دم بجلی کی مانند اس کے ذہن میں ایک خیال کوند گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو خود پریشانی کے عالم میں مکہ (اپنے گھر سے) ہجرت کر کے مدینہ جا رہے ہیں پھر میں ان کی یہ بات کیسے مان لوں؟

اس نے حیرت سے پوچھا:

''کسریٰ بن ہرمز شہنشاہ ایران کے کنگن؟''

آپؐ نے فرمایا:

''ہاں! کسریٰ شہنشاہ ایران کے کنگن''

سراقہ نے انتہائی حیرت سے عرض کیا۔

''یہ کنگن میں پہنوں گا۔''

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اور کون؟''

عزیز دوستو! یہ کنگن پہنانے کا اعلان پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا تھا جبکہ اس ریگستان میں ان کے پاس قرض پر خریدی ہوئی ایک اونٹنی کے سوا اور کچھ نہ تھا جبکہ وہ خود دشمنوں سے تنگ آ کر مکہ چھوڑ کر جا رہے تھے اور جبکہ انہوں نے تعاقب کرنے والوں سے بچنے کے لئے دشوار گزار راستہ اختیار کیا تھا جو بہت لوگوں کو معلوم بھی نہ تھا۔

سراقہ واپس چلا گیا۔ اُسے جو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں جاتا ہوا ملا، اُسے نہایت اعتماد سے کہتا:

''تم واپس جاؤ میں نے اطمینان کر لیا ہے کہ وہ ادھر نہیں ہیں۔ اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیسی نظر رکھتا ہوں اور سراغ رسانی میں کتنا ماہر ہوں؟''

اس واقعہ کے تقریباً آٹھ سال بعد کا ذکر کرتے ہوئے سراقہ کہتے ہیں۔

میں نے یہ تحریر اپنے پاس محفوظ رکھی اور آٹھ سال بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین اور طائف کے معرکوں سے پلٹ کر جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ تحریر پیش کر کے عرض کیا:

''میں سراقہ بن جعشم ہوں اور یہ آپ کی دی ہوئی تحریر ہے۔''

آپؐ نے فرمایا:

''آج وعدہ پورا کرنے کا دن ہے آج حق ادا کرنے کا دن ہے۔ میرے قریب آ جاؤ۔''

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گیا اور اسلام لے آیا اور آپؐ نے مجھے بہت سا انعام و اکرام دیا۔

پھر کچھ وقت گزرا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے جب اُن کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم مقرر ہوئے۔ اُن کے زمانے میں مسلمانوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی سپہ سالاری میں ایران فتح کر لیا اور مدائن کی فتح کے بعد (جو ایران کا دارالخلافہ تھا) جب اُن کے پاس کسریٰ شہنشاہ ایران کے کنگن، اس کا کمر بند اور تاج لایا گیا تو انہوں نے سراقہ کو بلایا اور یہ چیزیں ان کو پہنا کر کہا ہاتھ اٹھاؤ تا کہ لوگ کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں دیکھیں اور جان لیں کہ میرے آقا و مولا ''حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی آج پوری ہوگئی۔ اور زور سے کہا!

''تعریف ہے اس خدا کی جس نے یہ چیزیں اس کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو یہ کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور انہیں بنی مدلج کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیا گیا۔''

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے جاتے تھے۔

پیارے بچو! آپ نے دیکھا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی۔

محسن کائنات ﷺ

قاری سید محمد اقبال خستہ بخاری غفرلہ

کلیوں کے دھڑکتے سینوں میں ارمان تمہارا دیکھا ہے
افسانۂ بزم ہستی میں عنوان تمہارا دیکھا ہے

بخشی ہیں تمہارے جلوں نے بے نور دلوں کو تنویریں
تاریک فضائے عالم پر احسان تمہارا دیکھا ہے

اے ساقیٔ کوثر مجھ کو بھی ایک جام شراب بیداری
ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر یکساں فیضان تمہارا دیکھا ہے

اقرار تمہاری عظمت کا محدود نہیں کچھ ہونٹوں تک
ہم نے تو دلوں کی دنیا میں فرمان تمہارا دیکھا ہے

عصیاں پہ جو اپنے نادم ہو آ جائے ہمارے دامن میں
اے شافع محشر یہ ہم نے اعلان تمہارا دیکھا ہے

قدموں میں دو عالم کی دولت پیوند قبا و چادر میں
دنیا نے یہ اپنی آنکھوں سے سامان تمہارا دیکھا ہے

اے رحمت عالم اک نظر ہو جائے اقبال خستہ پر
آنکھوں سے لگا کر اس نے بھی قرآن تمہارا دیکھا ہے

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg.M # FD-16
MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335